سودائی

(ناول)

عصمت چغتائی

کتابی دُنیا - دہلی

سودائی

ناول

عصمت چغتائی

چندر زینے کی ریلنگ پر سے سرسر پھسلتا ہوا دھم سے نیچے آن کودا۔ روز کی طرح آج بھی ماسی کا کلیجہ منہ کو آگیا۔

"بدمعاش کہیں کا' جو ذرا پیر چوک جاوے تو ہڈی پسلی ایک ہو جاوے"۔ وہ سرپیٹ کر کہتیں' مگر چندر کہیں سننے والا تھا۔ وہ روز اسی طرح کچھوے کی طرح پھسلتا ہوا زینے سے اترا کرتا تھا اور ماسی کا دل یونہیں لوٹ پوٹ ہو جایا کرتا تھا۔

"ستیاناسے' ایک روج ایسا منہ کے بل گرے گا کہ سارے دانت ٹوٹ کر حلق پر جا پڑیں گے۔ میری تو کوئی بات نا سنے ہے"۔

چندر اپنا کھونڈا منہ سکیڑ کر ناک کی پھنگی سے ملا لیتا اور زور فوں کر کے ایک ٹانگ پر کودتا کھانے کی میز پر جھپٹا مارتا۔

ماسی کو ستانے میں اسے بڑا مزہ آتا تھا۔ ہمو کی بھی مٹی پلید کر رکھی تھی۔ وہ چندر سے سال ڈیڑھ سال چھوٹی تھی مگر سارے گھر میں بس اسی کو اپنا گرو مانتی تھی۔ اور کرتی بھی کیا! وہ اس کی ننھی ننھی چوٹیاں پکڑ کر گھسیٹا' بات بے بات ٹھڈی لگا کر گرا دیتا' اس کی گڑیوں کا بھرتا بنا ڈالتا اور جو جی میں آتا حکم دینے لگتا:

"ناک پکڑ کر سات سلام کر"۔

"ایک ٹانگ سے جا اور بھرا گلاس پانی کا لا! ایک بوند بھی گرائی تو بس کٹی"۔

اور کٹی کے معنی تھے آتے جاتے دھول' کبھی کہنی مار دی کبھی ناک دبا دی۔ تجربے نے سکھا دیا تھا کہ چندر اس کے بس کا روگ نہیں۔ وہ صرف بڑے بھیا سے ڈرتا ہے۔ انہیں دنیا کا سب سے مہان' سب سے پیارا اور سب سے زیادہ بدھی وان سمجھتا ہے۔ بڑے بھیا ہیں بھی اس سے پورے پندرہ برس بڑے۔ وہ اتنے بلند' بلند اتنے دیالو اور اتنے نیک چلن تھے کہ بس! جبھی تو ان کا نام سورج تھا۔ اور چاند پر جب سورج کی چمک پڑتی ہے تب ہی تو چمکتا ہے۔ اگر سوریہ دیوتا روٹھ جائیں تو چندر ما کا منہ کالا بھٹ پڑ جائے۔

جبھی تو ماسی روز صبح شام سورج کی آرتی اتارتی ہے کیونکہ وہ دیوتا ہے اور

چندر کو بھوت کہتی ہے۔ سورج نے آج تک کسی کو نہ مارا نہ ستایا نہ جھوٹ بولا نہ چوری کی نہ گلی کے لونڈوں کے ساتھ گلی ڈنڈا اور کبڈی کھیلی اس کی ماں جانتی تھی کہ آس پاس کوئی لونڈا بھی سورج کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کے لائق نہیں۔ اس کے ساتھی انسان نہیں کہانیوں قصوں میں بسنے والے راج کمار اور سادھو سنت تھے۔

ماسی ہر وقت اس کی تعریفوں کے گن گایا کرتی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا وہ اپنی بیٹی اوشا سے سورج کا بیاہ کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے اس لئے اسے بہترین داماد بنانے میں جٹی رہتی ہے۔ ماسی نے اسے ایسا تعریفیں کر کے چڑھا دیا تھا کہ کبھی کوئی شرارت کرنے کو من بھی چاہتا تو وہ ڈر جاتا کہ کہیں اس کی ساکھ نہ ختم ہو جائے اور وہ بھی معمولی انسان سمجھا جانے لگے تب لوگ اس کی اتنی چرچا نہیں کریں گے' ماسی آرتی نہیں اتارے گی' چندر اور ہمو اس کے ڈر سے لرزنا چھوڑ دیں گے۔ پھر دنیا میں اس کے لئے کیا رہ جائے گا! عزت ہی تو ایک چیز ہے جو اسے اتنی سی عمر میں اتنی بہت سی ملی ہوئی ہے۔ وہ اپنے خزانے پر ڈاکا نہیں پڑنے دے گا۔ مرتے وقت ماتا جی نے چندر اور ہمو کا ہاتھ پکڑا کر کہا تھا:

"بیٹا اب تم ہی ان کے مائی باپ ہو۔ کوئی ایسی نیچ بات نہ کرنا جو یہ برا سبق پا کر آوارہ ہو جائیں۔ اگر خاندان کی عزت پر آنچ آئی تو میری آتما کو چین نہ آئے گا"۔

پتا جی سال بھر پہلے ہی پر لوک سدھار چکے تھے۔ انہوں نے دنیا کے بنائے اصولوں کو ٹھکرایا اور ایک نیچ عورت کے چکر میں پڑ کر ہلکان ہوئے۔ پھر اسی سے جھگڑا ہونے کے بعد شراب میں دھت ہو گئے اور موٹر کے ایکسیڈنٹ میں ختم ہو گئے۔

ماسی ماں جی کی بڑی پیاری سہیلی تھیں۔ ان کے پتی نے بھی انہیں چھوڑ رکھا تھا اور دو دکھی عورتیں ہر وقت سورج کے کانوں میں نیک چلنی کا سندیس انڈیلا کرتی تھیں۔

ماسی کا خیال تھا سورج کے پتا' تربھون ناتھ جی' کی اچھی طرح دیکھ ریکھ نہیں ہوئی۔ ادھر ان کے ماں باپ نے ڈھیل دی ادھر پتنی بے دم نکل گئی اور کبھی کسی طرح ان کی روک تھام نہ کر سکی' تب ہی وہ جوانی میں بے موت مرے۔ سورج پندرہ برس اکلوتا لاڈلا بیٹا رہا۔ اور پتی کی بے توجہی سے ڈر کر ماں نے بیٹے پر ہی پنجے گاڑ دیئے۔ پھر کچھ نصیب پھرے اور دو بچے اور ہوئے مگر سورج جیسا پیار کسی کو نہ

ملا۔ چندر اور ہمو کو نوکروں نے پالا۔

بری راہ سے روکنے کے لئے صرف بھاشن جھاڑنے کو کافی نہ سمجھا گیا اور ماں نے اوشا رانی سے اس کی نسبت کر دی اور ماسی کے ساتھ مل کر وہ اوشا اور سورج کا میل بھاگوان بنانے پر جٹ گئیں مگر شادی کرنے سے پہلے ہی موت نے آ لیا اور چل بسیں۔

ماں مری تو ہمو ڈیڑھ برس کی تھی' چندر تین کا اور سورج کا اٹھارواں سال ختم ہو چکا تھا۔ اتنی سی عمر میں ایسی بھاری ذمہ داری سر پر آن پڑی تو وقت سے پہلے ہی سورج بوڑھا ہونا شروع ہو گیا۔ شریر تو کبھی نہ تھا' اب تو بالکل ہی سادھو بن گیا۔ اسکول کالج میں بڑے لڑکوں کی صحبت کے ڈر سے اسے گھر پر ہی ٹیوٹر رکھ کر تعلیم دلوائی گئی تھی۔ ماں کو مرے تین سال بیت چکے تھے مگر کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا جب ماسی آنسو بہا کر اس کی موت کا نقشہ نہ کھینچتی ہو۔ دن میں کئی بار وہ ماں کے قول دہراتی تھی۔ چندر اور ہمو تو ماں کو بھول سے گئے تھے مگر سورج پر ماں اور ماں کے بعد ماسی کا بہت دباؤ تھا۔

سورج کے ساتھ وہ اوشا پر بھی بڑی سخت نگرانی رکھتی۔ اسے ایک دن گھر کی ملکہ بننا تھا' اسے سورج کی یوگیہ بننا تھا۔ وہ اسے ہر وقت پڑھنے لکھنے اور کشیدہ کاری کے کام پر جٹائے رکھتی۔ دودھ کا جلا چھاج پھونک پھونک کر پیتا ہے! یہ مرد کی ذات بندر جیسی ہوتی ہے۔ کتنا بھی پڑھاؤ سدھاؤ موقع ملے گا تو جھٹ پیڑ پر چڑھ جائے گا۔ اور اوشا کو وہ ایسے گر سکھانا چاہتی تھی کہ اس کا پتی پیڑ پر نہ چڑھ سکے' ناک کی سیدھ میں سچے راستے پر چلتا رہے۔ اوشا ماں کے مقابلے میں نری گائے تھی' جدھر ماں ہنکاتی ادھر جاتی۔

ماسی حرام خور نہیں تھی۔ اس نے اپنی سہیلی کے پیار کو بڑے دل سے نبھایا۔ بیماری میں ایسی سیوا کی کہ سگی بہن کیا کرتی۔ سیاہ سفید کی مالک ہو کر بھی کبھی کچھ اٹھا بچا کر اپنے تن کو نہ لگایا۔ ہمیشہ گھر میں چار نوکروں کے برابر کام کیا۔ ویسے بینک اور جائیداد وکیل سیتا رام جی کے ہاتھ میں تھی۔ سیتا رام جی بڑے دوست نواز' بھلے مانس برہمچاری تھے۔ ان تین بچوں کو اپنا سمجھ کر دیکھ بھال کرتے تھے۔ مگر سارا زیور کپڑا تو ماسی کے ہاتھ میں تھا۔ مرنے والی نے اپنے ہاتھ سے جو زیور دے دیا تھا اس کے علاوہ انہوں نے کبھی ایک تار بھی نہ چھوا اور ضرورت بھی کیا تھی! سارا زیور ماں سورج کی دلہن کے لئے دے گئی تھی۔ چندر اور ہمو جب بڑے ہوں گے

تب دیکھا جائے گا۔ سورج سب دیکھ رکھ کرے گا۔ سورج کی دلہن سوائے اوشا کے اور کون تھی! پھر کیا ضرورت تھی ماسی کو کسی چیز کی! سب کچھ ہی تو اوشا کے لئے تھا۔ چھوٹی سی عمر سے ہی اوشا نے سورج کو اپنے من مندر کا دیوتا مان لیا تھا۔ بارہ تیرہ برس کی عمر سے وہ باشعور بیوی کی طرح ہر بات کا خیال رکھتی۔ بغیر ماسی کے ٹوکے وہ ان کے لئے پانی گرم کروا کر حمام میں لگواتی' ان کے کپڑے نکال کر سجاتی کھانے کے وقت ان کی تھالی میں مزے دار لقمے پروستی بابا مانگے اسے پتہ چل جاتا کہ انہیں نمک چاہئے' پانی چاہئے یا ہری ہری مرچ کو دل ہو رہا ہے۔ وہ ان کے لئے چکن کے کرتے کاڑھتی' نئی نئی وضع کے سویٹر بنتی اور رومال پر گلدستے کاڑھتی گھر اسی کا تو تھا نا۔ ذرا سی کوئی چیز ٹوٹ جاتی یا ادھر کی ادھر ہو جاتی تو وہ گھر ستوں کی طرح نوکروں سے جھگڑا کرتی۔

سورج اس کی سیوا کے عادی ہو چکے تھے اور اسے اپنا حق سمجھ کر سویکار کر لیا کرتے تھے۔ مگر عام نوجوانوں کی طرح انہوں نے نہ کبھی اوشا سے چھیڑ خانی کی اور نہ میٹھی آنکھ بھر کر دیکھا۔

"اسے لونڈیا پن پسند نہیں۔ کوئی وہ لفنگا ہے؟ اور نہ میری بیٹی حرافہ ہے"۔

کبھی کوئی سورج کی بے توجہی کی طرف اشارہ کرتا تو فوراً سمجھا دیتیں: "سورج اپنی ماں پر گیا ہے"۔

مگر چندر سوچا باپ پر گیا: بے چین' بے قرار اور خود سر۔ اس کا انجام بد ہو پر ہو۔ نہ بھی پیدا ہوتے تو ستونتی کی کوکھ تھوڑی جل جاتی۔ سو اولادوں کی ایک اولاد سورج موجود تھا۔ وقت آنے پر سب کچھ ہو رہے گا۔ ماسی کو اپنے سگھڑاپے پر پکا بھروسا تھا' انہیں معلوم تھا کہ موقعے اور ضرورت کو دیکھ وہ اوشا کو مرد پھانسنے کا گر بھی سکھا دیں گی ویسے انہوں نے کیا کسر اٹھا رکھی تھی ہر وقت لیکچر پلایا کرتیں:

"بیٹی سیوا سے تو بھگوان بھی من جاتے ہیں' سورج تو پھر منش ہے"۔ خود ماسی نے اپنے میاں کی سیوا جی جان سے کبھی نہ کی۔ وہ نگوڑا اس کا جوگ تھا بھی نہیں۔ اگر وہ کلرک کے بجائے کوئی تھانے دار یا ڈپٹی ہوتا تو مجال تھی وہ ان کے چنگل سے نکل جاتا! ایسی سیوا کرتیں کہ ستی ساوتری کو طاق میں بٹھا دیتیں۔

مگر سورج تو اس قابل تھا کہ اوشا کی خوش نصیبی تھی جو اس جیسا پتی ملنے والا تھا۔ صبح تو ماسی کے پروگرام کے مطابق اس کے پاس ہر وقت اوشا ہی نظر آتی تھی جسے دیکھے گا انسان اسی کو تو پرکھے گا!

چندر حسب معمول چھلانگیں مارتا' فرنیچر پر سے کودتا سیدھے ناشتے کی میز پر ٹوٹا۔

"ہائیں ہائیں.... چندر!" ماسی چلائی۔

"کیا ہے ماسی؟"

"کہاں بیٹھا ہے رے؟"

"کرسی پر ماسی"۔

"کس کی کرسی پر بیٹھا ہے رے!"

"اوہ! بڑے بھیا کی کرسی پر!" جھٹ سے وہ کرسی چھوڑ دوسری کرسی پر بیٹھ گیا' جیسے اس نے مندر میں کسی دیوتا کا آسن گندہ کر دیا ہو۔

ماسی نے ادب سے زینے کی اور دیکھا' جدھر سے سوریہ دیوتا پدھارنے والے تھے۔

"ہائیں چندر....." ماسی نے اسے پھلوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر ہانک لگائی۔

"بڑے سرکار کو تو آنے دے گھوڑے! کیسا ندیدہ ہے' رام رام!"۔

باادب باملاحظہ ہوشیار!

مہابلی تشریف لاتے ہیں۔

فضا ان کے رعب سے لرز اٹھی۔ آنکھ کا اشارہ پاتے ہی اوشا لپک کر نچلی سیڑھی کے قریب سر پر اوڑھنی ڈال کر کٹہ پتلی کی طرح جا کھڑی ہوئی زینے کے موڑ سے پہلے دھیرے دھیرے قدموں کی چاپ پدھاری' پھر جیسے پچھم کی سیما سے سوریہ دیوتا نے سر اٹھایا:

بڑی بڑی تپسویوں جیسی گمبھیر آنکھیں باگھنے بال جن کی ایک پتی تلی لٹ ماتھے پر لرزتی ہوئی یا ستواں کھڑی ناک یا جھاگ سی سفید دھوتی یا بھاری ریشم کا ڈھیلا کرتا' کاندھوں پر بھونلے رنگ کے دشمنے کی شال سنبھالے پل بھر کو زینے کی چوٹی پر جگمگائے۔ یہ لباس انہوں نے بنگالیوں سے پہننا سیکھا تھا۔

پھر قدم تولتے' ٹپ ٹپ کرتے وہ نیچے اترنے لگے۔

"نمسکار!" اوشا کی نازک سی آواز سرسرائی۔

"نمسکار!" انہوں نے دور ہوا میں دیکھتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے پر گری ہوئی لٹ کو چھو لیا۔

"جیو میرے لال! ہزاری عمر ہووے"۔ ماسی نے چٹ چٹ بلائیں لینا چاہیں مگر وہ کاوا کاٹ کر بچ گئے تاکہ ماسی ان کے ماتھے کی لٹ نہ بگاڑ دیں۔ جو انہوں نے بڑی دیر تک آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر سجائی تھی' جو بالکل ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے لاپرواہی کی وجہ سے آن پڑی ہو۔

اور ماسی روز اس مشکل سے جمائی ہوئی لٹ کو سنوارنے کی دھمکی دیا کرتی تھی جس پر انہیں غصہ آنے لگتا تھا مگر ضبط کر جایا کرتے تھے کہ دیوتا غصہ نہیں کیا کرتے۔

چندر کا بھوک کے مارے حال پتلا ہو رہا تھا' جیسے ہی بڑے سرکار بیٹھے وہ کھانے پر ٹوٹ پڑا۔

تب چڑیا کی طرح پھدکتی ہوئی ہمو آئی اور آتے ہی چندر کا منہ چڑایا اور دھم سے بیٹھ گئی۔

" ہمو رانی"۔

"جی؟"

"آج تو نے کیا نہیں کیا؟"

"ہا..... آ..... ں......"

"اچھا تو پہلے نمسکار کر"۔ ماسی حکم دیتی اور ہمو نے نمسکار کر کے چندر کی نقل میں ہنکنا شروع کر دیا۔

ماسی نے جھٹ سے لڈوؤں کی پلیٹ اٹھا کر سورج کے آگے رکھ دی۔

"پہلے بڑے بھیا کو لینے دے۔ بیٹا میں ابھی تازی پوری تل کر لاتی ہوں ان نوکروں کا کچھ بھروسہ نہیں' کچی پکی بنا ڈالیں گے۔ روز تو اوشا بناتی ہیں۔ لو بٹی تم بڑے سرکار کے لئے اتار چھیلو"۔

ہونے والے رشتے کا حساب لگا کر وہ اوشا کو بڑے بھیا نہیں کہنے دیتی تھی۔

"مگر آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں' کیا سارے نوکر مر گئے ہیں؟"

"ارے واہ بیٹا' اس میں تکلیف کیسی! ہائے' تم میرا کتنا خیال رکھتے ہو! میرے لال' ستی ساوتری تمہاری ماں نے جو سہارا نہ دیا ہوتا تو ہمارا کیا بنتا؟" ماسی فوراً بسور کر رونے لگیں۔ انہیں روتا دیکھ کر چندر اور ہمو کو بے حد خوشی ہوتی تھی' دونوں کھوں کھوں ہنسنے لگے۔

"اے لو بیٹے یہ نارنگیاں"۔ چندر کو نارنگیوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر

ایک دم انہوں نے آنسوؤں کا نل بند کر دیا اور مسکرانے لگیں۔

نہیں' رات کو ڈھوں ڈھوں کھانسے گا"۔ انہوں نے چندر کا ہاتھ جھٹک دیا۔ روتے روتے جب وہ یوں ایک دم بریک لگا کر گیئر بدلتیں تو بڑے سرکار کی ناک بھی پھدکنے لگتی اور وہ ہنسی چھپانے کے لئے فوراً رومال سے ناک دبوچ لیتے۔ وہ بھلا کیسے ہنس سکتے تھے!

ماسی پوریاں لینے گئی' اوشا ہمو کے جوتے کی گھنڈیاں ٹھیک کر رہی تھی اور چندر میز کے نیچے جھکا ہوا ٹامی کو بسکٹ کھلا رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میدان خالی تھا۔ سامنے تازہ لڈو مہک مار رہے تھے۔ بڑے سرکار کے من میں چھپا ہوا شریر بچہ ایک دم ہمکا اور غڑاپ سے لڈو منہ میں ماسی کے پیروں کی چاپ سن کر ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ لڈو کو کیا کریں۔ نہ منہ تک لے جانے کا موقع تھا نہ واپس پلیٹ میں پہنچ سکتا تھا' مجبوراً کرتے کی جیب میں سٹکا لیا۔

"ہائیں ـــ چندر!" ایک دم لڈو غائب دیکھ کر ماسی نے چھاتی کوٹ لی' "کیوں رے پاجی! ڈاکٹر نے مٹھائی کھانے کو منع کیا ہے اور تو ایک دم دو لڈو کھا گیا؟"

"ہم نے نہیں کھائے لڈو"۔ چندر منمنایا۔

"اور اوپر سے جھوٹ بولتا ہے بے ایمان۔ دکھا ہاتھ"۔

"چندر نے دونوں ہاتھ ماسی کی ناک کے پاس کر دیئے۔ وہ بدک کر دور ہٹ گئیں۔

"منہ کھول"۔

چندر نے منہ کھولا۔ غور سے لڈوؤں کے نشانات ڈھونڈنے کے بعد فیصلہ کیا کہ "سموچے ہی نگل گیا' چور"۔ انہوں نے اس کے کان پکڑ لئے۔

"بس بس ماسی' غلطی ہوئی' معاف کر دیجئے۔ اب ایسا نہیں کرے گا۔" بڑے سرکار بولے۔

"بے کار ہمارا نام لے رہی ہے۔ ماسی۔ ہم نے لڈو چھوئے بھی نہیں"۔

"تو پھر ہمو نے کھائے ہوں گے"۔ بڑے سرکار نے ہمو کو گھورا۔

"نہیں بڑو بھیا' ہم نے تو کھائے بھی نہیں۔ اوشا دیدی سے پوچھ لیجئے"۔

"یقیناً اوشا رانی نے تو نہیں کھائے۔ تو پھر کہاں گئے لڈو؟" بڑے سرکار نے بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے چندر کو گھورا تو اس نے سہم کر نظریں نیچی کر لیں۔

"یہ دیکھو بغلیں جھانکنے لگا نگوڑا۔ مچھی مچھی کتنا گندہ بچہ ہے——— لو بیٹا تم تو کھاؤ"۔

ماسی نے لڈو سورج کی طرف بڑھائے۔

"نہیں ماسی' آپ جانتی ہیں مجھے مٹھائی پسند نہیں"۔ بڑے سرکار نے جیب میں پڑے ہوئے لڈو کو پیار سے سہلا کر کہا' "چندر آئندہ تم نے ایسی بچ حرکت کی تو ..... اچھا نہ ہو گا"۔

ناشتہ کرتے ہی ہمو اور چندر میں اشاروں ہی اشاروں میں باتیں ہوئیں دونوں کھسک لئے۔ ماسی اور اوشا نے گھر کے حساب کتاب کی فہرست نکال لی۔

"پودینہ تین آنے .... لوکا چھ آنے .... توری ...."

ماسی اپنی ایمانداری کی ساکھ بنانے کے لئے دانے دانے کا حساب دیا کرتی تھی تاکہ بڑے سرکار قائل ہو جائیں کہ ہونے والا رشتہ کتنا منافع بخش ہو گا مگر بڑے سرکار کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ان کا منہ نوچ لیں۔

"ادرک ڈیڑھ پاؤ .... گرم مصالحہ ...."

"اوہ ...." بڑے سرکار نے بڑے ڈرامائی انداز میں اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا' ماسی اچک پڑی۔

"اے ہے' کیا ہوا بیٹے"۔

"درد ..... سر میں درد ...."

"اری اوشا' کیا بگلوں کی طرح کھڑی منہ تک رہی ہے' منشی جی سے کہہ۔"

"نہیں' ڈاکٹر صاحب کو نہ بلوایئے۔ میری دراز میں گولیوں کی شیشی ہے"۔

"اری جا نصیبوں جلی"۔ انہوں نے اوشا کو دھکا دیا اور خود آنچل سے ہوا کرنے لگی۔

"پا .... پانی" بڑے سرکار نے سر پٹخ کر کہا۔ ماسی پانی لینے بھاگی انہوں نے اطمینان سے لڈو جیب سے نکالا' زیادہ نظر جھاڑی اور گپ سے منہ میں ڈال لیا اور بڑے آنند سے آنکھیں موند کر مزے لینے لگے۔

جب ماسی ہانپتی کانپتی پانی کا گلاس لئے دوڑی آئیں اور اوشا گولیوں کی شیشی لے کر ان کے پاس پہنچی تو انہوں نے چونک کر دونوں کو ایسے دیکھا گویا پہچانتے تک نہیں۔

"وہ سر کا درد .... گولی .... پانی .....!" ماسی یاد دلانا چاہتی۔

"پانی؟ گولی؟ ہاں سمجھا۔ نہیں اب ضرورت نہیں"۔

اور وہ بڑی بے توجہی سے اخبار دیکھنے لگتے۔ ماں بیٹیاں کچھ بھونچکی سی رہ جاتیں۔ بڑے سرکار کی سیوا کا اتنا حسین موقع ہاتھ سے جانے کا بھی ملال ہوتا۔

بڑے سرکار کو یوں الو بنانے میں بڑا لطف آتا۔ وہ کتنے بدھی وان تھے جسے چاہتے دم بھر میں الو بنا کے رکھ دیتے تھے اور پھر دیر تک یاد کر کے ہنسا کرتے اور بڑا آنند ملتا۔

"اور کیا' جی تو کہہ رہا ہوں۔ اگر ہتھنکیا سے بالشت بھر گہرا کھودا تو زمین سے بونا نکلے گا"۔ چندر نے بڑھائی۔

"ہائے رام! چھٹ بھیا کیا پھر وہ میرے سنگ کھیلا کرے گا؟"

ہمو دے جی اپنی ننھی سی ہتھنکیا سے مٹی کھود رہی تھی' مگر زمین ایک انچ بھی نہیں کھدی تھی کہ ناخنوں میں مٹی بھر کر ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

"چھٹ بھیا جی"۔

"کیا؟"

"تم نے کبھی پری دیکھی ہے"۔

"بہت دفعہ"۔

"چل جھوٹے لپاڑی!"

"جی..... تیری کسم"۔

"تو ہمیں بھی دکھاؤ نا"۔

"تو بد ھو ہے' تجھے پری نہیں دکھائی پڑے گی"۔

"کیوں؟"

"بس کہہ دیا ہم نے"۔

"چھٹ بھیا"۔

"کیا ہے"۔

"انگلی دکھ رہی ہے"۔

"کہا تھا تجھ سے نہیں کھودی جائے گی زمین"۔

"ہنک! بھیا جی پری"۔

"اچھا..... وہ دیکھ"۔

"کہاں؟" ہمو ڈر کر پاس گھس آئی۔

"وہ..... وہ..... وہ..... انار کی ڈالی پر..... ہے نا؟"

"اوں..... وہ تو فاختہ ہے....."

"فاختہ نہیں بدھو' فاختہ۔ اصل میں یہ پری ہے"۔

"پری؟ ہنہ' تجھے کیسے معلوم؟"

"بس ہمیں معلوم ہے۔ بس کہہ جو دیا کہ یہ پری ہے۔ چپکی بیٹھی رہو۔ ابھی دیکھنا لوٹ پوٹ کر پری بن جائے گی"۔

مگر بدقسمتی سے اسی وقت ہمو کو چھینک آتا رہ گئی تھی' پھر سے فاختہ اڑ گئی۔

"دیکھا' گدھیا کہیں کی۔ چل' ادھر۔ لے کے چھینک مار دی۔ ابھی غصہ آ جاتا تو تیرے اوپر انگھر مار کر چوہا بنا دیتی"۔

"پری؟"

"ہاں"۔

"غصے میں چوہا بنا دیتی ہے؟"

"اور نہیں تو"۔

"چھٹ بھیا"۔

"ہاں"۔

"گھر چلو' ہمیں ڈر لگ رہا ہے"۔ ہمو بسوری' "ہم نہیں دیکھتے پریاں سریاں۔

ہنہ' بڑے آئے پریاں دکھانے والے... بھوندو"۔

مگر چندر جی حیرت سے منہ پھاڑے پیڑ کے پاس پتوں کے ڈھیر کو گھور رہے تھے' ایک ننھا سا گلابی ہاتھ پتوں کے بیچ میں پڑا تھا۔

"ہاتھ!" چندر جی ایک دم سرپٹ بھاگے مگر ہمو ٹھوکر کھا کر گری اور گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگی۔ ہمو کو سہارا دے کر کچھ ڈر کم ہوا' اک تتلی ہاتھ کو پھول سمجھ کر اس پر آن بیٹھی۔

"دیکھو ہمو"۔ چندر نے ہمو کو چپٹا کر کہا۔

"ہاتھ؟ کون ڈال گیا یہاں؟"

"ضرور کوئی پری بھولے سے چھوڑ گئی ہو گی"۔ چندر نے رائے دی۔

"کہاں ہے پری"۔

"اڑ تو گئی"۔

"پر ہاتھ یہیں گرا گئی؟"

"جان پڑتا ہے بھولے سے رہ گیا۔ اسے اٹھا لے ہمو"۔

"چل' میں دیکھتی ہوں' اس لونڈے نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے کہ کبھی کتا کبھی بلی کبھی گلہری اٹھائے لئے چلا آتا ہے۔ پر آج تو کسی کی لونڈیا اٹھا لایا' جانے کہیں کا۔ ارے او چندر گھوڑے' کیا اٹھا لایا رے"۔

"پری ماسی"۔ چندر نے اعلان کیا۔

"ہاں ماسی' بچاری کے پر کھو گئے ہیں"۔ ہمو نے طرفداری کی۔

کیوں رے یہ گھر ہے کہ گھورا کہ جو کوڑا کرکٹ ملا سو گھر میں۔ اسے منشی جی سے پھنکواؤ موری کو' سارا کرسیوں کا ناس مار دیا۔

"چل بے ساکھی کے بچے اٹھا اپنی نانی کو"۔ منشی جی نے مہتر کو حکم دیا۔

"آں ہم ماریں گے بیساکھی تجھے"۔ چندر نے ہاکی اسٹک تانی۔

"کیا بات ہے؟ بڑے سرکار نے زینے پر سے ناک بھوں چڑھا کر کہا"۔

"دیکھو تو بیٹا نہ جانے کس کی لونڈیا اٹھا لایا ہے"۔

"واہ ہم نے تو پڑی پائی ہے۔ ہمو سے پوچھ لیجئے"۔

"ہاں بڑے بھیا' بچاری کے پر کھو گئے ہیں"۔

"پر؟"

"ہاں بھیا جی پر۔ یہ پری ہے نا' پتوں میں سو رہی تھی"۔

"اچھا بس ہو چکا کھیل' چلو اسے پھنکواؤ"۔

"نہیں ہم پالیں گے اسے"۔ چندر نے بچی کو سمیٹ کر قبضے میں کیا۔

ذرا سی بچی نہ جانے کیا سمجھ کر اس کے سینے سے بندر کے بچے کی طرح چپک گئی۔

"اے ہے' بڑا آیا پالن ہار۔ دیکھتی ہوں تو اس بلا کو کیسے پالتا ہے!"

ماسی نے بچی کا بازو پکڑ کر کھینچا اور اسے گندے چیتھڑے کی طرح اٹھا کر چلیں باہر پھینکنے۔

جانو چھوٹا موٹا طوفان ماسی کی جان پر ٹوٹ پڑا۔ ہمو اور چندر ان سے چمٹ گئے' دانتوں اور ناخنوں سے ساڑی تار تار کر ڈالی۔ ہمو نے جو زور سے دھکا دیا تو ماسی چاروں خانے چت۔ دونوں ان کی چھاتی پر چڑھ بیٹھے اور پست کر دیا۔ بچی یہ چہلیں دیکھ کر کھلکھلا کر ہنسی اور تالیاں بجانے لگی۔

بڑے سرکار کو اتنے زور سے ہنسی آئی کہ ان کی ساری بڑائی خاک میں ملتے ملتے بچی۔ انہوں نے بڑے ضبط سے کہا:

"تا چھٹ بھیا' گھر چلو"۔ ہمو کی گھگی بندھ گئی۔

"ارے ڈرتی کاہے کو ہے سڑن! ٹھیر' ذرا دیکھیں تو"۔

چندر نے ایک تنکا لے کر ڈرتے ڈرتے ہاتھ کو چھوا۔ ایک ننھی سی انگلی ہلی اور ایک مرغابی قاں قاں کرتی جھیل سے اڑی۔ دونوں لرز کر بھاگے مگر چندر مردانہ وار رک کر پھر واپس لوٹا' لکڑی سے پتے ہٹائے تو مٹی میں سے بھورے بھورے بال اور ایک سفید مکھڑا بھی دکھائی پڑا۔ دو بڑی بڑی سہمی ہوئی آنکھیں کھل پڑیں۔ ننھے ننھے ہونٹ لرزے اور چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی دو ڈیڑھ سال کی بچی پتے جھاڑ کر اٹھ بیٹھی۔ دونوں بچوں کی سٹی گم ہو گئی۔

"تم پری ہو نا؟" چندر نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

بچی نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"دیکھا؟" چندر نے اکڑ کر ہمو کو جتایا۔

"تمہارے پر کہاں ہیں پری؟" ہمو کی بھی ہمت بڑھ گئی۔

بچی ڈری ہوئی آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ کر بسورنے لگی۔

"بدھو کہیں کی! رلا دیا بچاری کو ٹافی کھاؤ گی پری؟"

بچی نے سر ہلا دیا۔

"ہائے بچاری بھوکی ہے"۔ ہمو کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔ "اس کے پر تو ہیں ہی نہیں' اب کیسے اڑے گی چھٹ بھیا؟"

"تم روؤ نہیں پری۔ بچاری کے پر کھو گئے ہیں' دوسرے نکل آئیں گے۔"

"رو مت پری"۔

"اب کیا کریں؟"

"چلو اسے گھر لے چلیں۔ اے پری' ہمارے گھر چلو گی؟"

بچی نے سر ہلا دیا۔ جب دونوں بچی کو لادے گھر پہنچے تو رامی کمارن کی تو چیخیں نکل گئیں:

"ہئی ہے۔ ماسی جی' چھوٹے بھیا کہیں سے لونڈیا اٹھا لائے"۔

"لونڈیا؟ اے چل دیوانی۔ کسی گوالے کی چھوکری ہو گی' پھنکواؤ موئی کو"۔

"اجی وے تا پھینکنے دیں' ماریں ہیں دونوں کے دونوں"۔

"اے کون دونوں"۔

"اے جی بوئی چھوٹے بھیا' ان کے سنگ میں ہمو بٹیا بھی لگ گئی ہیں"۔

"رہنے دیجئے ماسی' پولیس چوکی خبر کروا دیجئے' وہ آ کر لے جائیں گے"۔

مگر بچے غل مچانے لگے' سورج کے پیروں سے لپٹ کر رونا شروع کر دیا۔ ماسی نے دانت پیس کر کہا کہ "دیکھوں گی۔ چندر تھانے دار صاحب کو کیسے روکتا ہے!"

"ہم پولیس کو بھی ماریں گے" چندر نے ہاکی اسٹک سنبھالی۔ وہ سورما بنا پری کی حفاظت پر ڈٹا رہا۔

"ہتھ کڑیاں پڑ جاویں گی للا جی"۔

"ہم توڑ ڈالیں گے ہتھکڑیاں"۔

مگر پولیس نے آ کر تفتیش کی تو پتہ چلا آس پاس کے کسی گاؤں والے کی بچی نہیں ہے۔ نہ جانے کون پھینک گیا ہے"۔

"حرام کی ہو گی" ماسی نے فیصلہ کیا' "اناتھ آشرم میں بھجوا دو"۔

"جب تک اس کا کوئی وارث نہیں ملتا اسے یہیں رہنے دیجئے بچوں کا جی بھر جائے گا تو بھجوا دیں گے"۔ بڑے سرکار نے فیصلہ کیا۔

مگر بچی واقعی پری زاد تھی۔ اس کا کوئی وارث اس کی تلاش میں نہ آیا اور وہ وہیں رہنے لگی۔ اوشا رانی کے گڑیاں کھیلنے کے دن ابھی باقی تھے' انہوں نے پرانے کپڑے کاٹ کر سمجھاتے ہوئے لباس تیار کئے۔ کچھ دن تو رسوائی کے پاس والی کوٹھڑی میں رامی کمارن کے ساتھ رہی پھر بچوں کے کمرے میں زمین پر سونے لگی۔ دیدی کی خوشامدیں کر کے اس کے نئے کپڑے بھی بنوا لئے۔ کبھی ماسی ایک دم بغاوت پر ڈٹ جاتیں کہ "نہ جانے موئی بھنگی کی ہے کہ چمار کی' سنگ میز پر بیٹھ کر کھاتی ہے"۔ مگر اسے چندر اور ہمو کے ساتھ ساتھ اوشا رانی کی محبت بھی حاصل تھی۔ اس لئے بچوں کی ضد پوری ہوتی رہی۔ سورج کو کوئی شکایت نہ تھی بچی ان کی صورت سے لرزتی تھی' دیکھتے ہی بھاگ کر کسی کونے میں چھپ جاتی' چندر یا ہمو کی آڑ میں ہو جاتی یا اوشا کے آنچل میں منہ چھپا لیتی' روتی ہوتی تو ایک دم سانس روک لیتی' ہنستی ہوتی تو منہ پر ہاتھ رکھ کر چپ ہو جاتی۔ بڑے سرکاری اپنے رعب کا اس پر یوں سکہ بیٹھتے دیکھتے تو اور پھول جاتے۔

اوشا اسے بندریا کی طرح پیارے پیارے کپڑوں میں سجاتی اس کا نام اسی نے چاندنی رکھا: چندر کی چاندنی..... اسی کو تو پڑی ملی تھی!

چندر اور ہمو اس پر فریفتہ تھے۔ بڑے فکر مند ہو کر کبھی غور سے اس کے کندھوں کو ٹٹولتے کہ کہیں پر' تو نہیں پھوٹ رہے ہیں۔ پر نکل آئے تو پھر سے اڑ

جائے گی!

ماسی کی مخالفت کے باوجود اس کی پڑھائی بھی ہوتی رہی کیونکہ وہ ہر دم بچوں کے ساتھ لگی رہتی تھی۔

"نہ جانے کیوں میرا جی آپ ہی آپ دھکڑ پکڑ ہوتا ہے۔ نیک شگن نہیں کہ راستے کا کوڑا آنکھوں میں گھس جائے"۔ ماسی ٹھنڈی سانس بھر کے کہتی' "بڑی ہو کے یہ لونڈیا نہ جانے کیا گل کھلائے گی!"

بڑے سرکار بہت بڑے تھے اس لئے نہ ان کے دوست نہ یار' نہ کہیں آنا نہ جانا۔ وہ تھے اور ان کی فلسفے کی کتابیں۔ گھوڑے کی سواری اور تیرنے کے سوا کبھی باہر نہ نکلتے۔ دور دور تک جاگیر پھیلی ہوئی تھی۔ اپنی نہر' اپنے جنگل اور جھیل۔ کاش چندر ہی ان کے ساتھ کا ہوتا تو اتنا جان لیوا اکیلا پن نہ ہوتا۔ چندر اور ہمو کی کیسی گاڑھی چھنتی تھی۔ کبھی ان کا دل چاہتا ایک دم ان کی طرح غصے لگانے لگیں' پیڑوں پر چڑھ کر دھما دھم کودیں' مگر بڑپن آڑے آ جاتا۔

اوشا کو وہ کبھی نہ سمجھ سکے۔ شرمائی سی بیچاری مورتی چوری چوری انہیں تکنے کے سوا کسی مصروف کی نہ تھی۔ اسے جوان ہوتے دیکھ کر جو خیالات ان کے دل میں آئے ان کو گندہ سمجھ کر وہ ایک دم سہم گئے اور انہیں اس کے وجود پر غصہ آنے لگا۔ چندر گدھا تھا۔ پڑھائی سے جان چراتا۔ شریر سب کو پریشان کیا کرتا تھا۔ ماسی کا تو ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ ان کا خیال تھا بڑا ہو کر ضرور ڈاکو نکلے گا' موقع مل گیا تو ساری جائیداد پھونک کے کنگال ہو جائے گا۔ وہ ہنستا تھا' کھیلتا تھا' جھگڑتا تھا۔ ایک معمولی انسان تھا!

مگر سورج دیوتا تھے۔ ماسی روز ان کی آرتی اتارتی تھی۔ گاؤں والے انہیں اوتار مانتے تھے یہ نصیب کی بات تھی! بھگوان چاہے جسے دے' کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور تو اور چندر کا کتا تک ان سے لرزتا تھا۔ ایک دن یونہی انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو دانت نکوسنے لگا۔ ماسی نے اسے ان کے کمرے میں جانے پر اتنا پٹوایا کہ وہ دروازہ دیکھتے ہی کانپ کر پلٹ جاتا۔

ایک دن بچے باغ میں گیند کھیل رہے تھے۔ چندر لڑکیوں کو خوب پدا رہا تھا کہ گیند چاندنی کے ہاتھوں سے بچ کر سورج کے پیروں کے پاس آن گری۔ بچوں کو پتہ چلا کہ گیند کدھر گئی۔ ڈھونڈتے آئے تو سورج نے اٹھا کر جیب میں ڈال لی اور انجان بن کر پڑھنے میں جٹ گئے۔ بچے جھاڑیوں میں گیند ڈھونڈتے رہے۔ سورج

کے دل میں سویا ہوا نوجوان لڑکا جاگ اٹھا۔ جیب سے گیند نکال کر بڑی حسرت سے دیکھی۔ اتنی سی عمر میں اتنا بھاری بوجھ کندھوں پر آن پڑا تھا کہ کبھی گیند جیسی حقیر چیز کی طرف دھیان ہی نہ جانے دیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھ کر گیند کو زور سے اچھالا اور نیچے آتے آتے زور کا کک لگا دیا۔ خلاف توقع گیند زناٹے سے اڑی اور ٹھیک ماسی کی کھڑکی کو توڑتی ہوئی دھائیں سے ان کی کھوپڑی پر پڑی۔ ماسی بڑے دھیان میں ڈوبی لنک لنک کر گیتا کا پاٹھ کر رہی تھیں گیند جو سر میں لگی تو ڈر کے چنگھاڑیں' گیند کو خونی نظروں سے گھورا پھر دندناتی باغ میں پہنچیں۔ چندر گیند کی تلاش میں ادھر ادھر جھانک رہا تھا۔ جٹ ماسی نے اس کا کان پکڑ لیا اور اسے دھاڑتی ہوئی بڑے سرکار کے حضور میں لے چلیں۔ چاندنی نے جو یہ چندر کی گت دیکھی تو بلبلا کر ماسی کی کلائی میں جھول گئی اور چوہیا جیسے نکیلے دانت گاڑ دیئے۔

"ہائے میری میاری"۔ ماسی نے تڑپ کر کان چھوڑ دیا اور ایک تھپڑ جو مارا تو سولری کے تھانوے میں گری۔ اس سے پہلے کہ ماسی اس کا کچومر نکال دیتیں چندر اور ہمو اسے سمیٹ کر ڈٹ گئے۔

"مجھے مار لو ماسی پر اسے رہنے دو"۔ ہمو گڑگڑائی اور سارے وار اپنی پیٹھ پر سہ لئے۔ سورج نے یہ سب کچھ دیکھا تو ماسی کی حماقت پر بڑی ہنسی آئی۔ جب اس کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو وہ بڑی معصوم شکل بنائے کتاب پر جھکا رہا۔ ماسی کو اس پر بہت پیار آیا۔

"کیوں چندر' تم بڑے شریر ہو گئے ہو"۔ انہوں نے اسے ڈانٹا۔ تھوڑی دیر پہلے گیند پر لٹو ہونے والا سورج غائب ہو چکا تھا' صرف دیوتا سمان بڑے سرکار رہ گئے تھے۔ انہیں تو سوچتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا کہ وہ دونوں ہستیاں دراصل ایک ہیں۔ وہ ذلیل سورج بڑے سرکار نہیں کوئی اور تھا برائی کرنے کے بعد اسے دور کسی کونے میں چھپا دیا جائے تو پھر وہ ان کی اپنی ذات سے الگ ہو جاتی ہے۔ "بڑبھیا جی ہم نے نہیں پھینکی"۔ چندر نے سہم کر کہا۔

"اور اوپر سے جھوٹ بولتے ہو۔ چلو ماسی سے چھما مانگو"۔

"معاف کر دو ماسی"۔ چندر نے ہتھیار ڈال دیئے اور ماسی سے معافی مانگ لی۔

گھڑیاں سالوں میں بدھتی چلی گئیں۔ وہ ننھا سا جامن کا پودا جو ہمو اور چندر نے جھیل کے کنارے لگایا تھا بڑھ کر دیوزاد بن کر جھومنے لگا۔ سورج کا رعب بھی دیوزاد بن کر سارے گھر پر چھا گیا۔ بچے ان کا اتنا مان کرتے تھے جتنا ماں باپ کا بھی نہیں کیا جاتا۔ چندر اب بھی ان سے نظر ملا کر بات کرتے گھبراتا تھا۔ ہمو ذرا لاڈلی تھی مگر دو بدو بات کرنے کی اس میں بھی ہمت نہ تھی۔ اوشا رانی کے دل و دماغ پر سب سے گہرا سایہ تھا۔ دیوزاد نے نہیں بالکل ہی مفلوج کر ڈالا تھا۔ ان کے دماغ اور دل پر بڑے سرکار کا راج تھا۔ مشین کی طرح وہ سورج دیوتا کے گرد چکر کاٹتی رہتی۔ انہیں ناشتہ کروانا' بیکن کھول کر دینا۔ انڈوں پر مقررہ مقدار میں نمک مرچ چھڑکنا' توس پر مکھن لگا کر دینا' پھر اپنے ہاتھ سے ان کے سامنے سے برتن اٹھانا۔ اس خدمت میں اب نہ کوئی لذت رہی تھی نہ کوفت۔

وہ بڑے سرکار کی ماسی ہے اور یہی اس کے نصیب میں لکھا ہے۔ اس کے لئے دنیا میں ایک مرد تھا۔ اور وہ سورج تھا۔ وہ ان کی جیون ساتھی بننے کے لئے پیدا ہوئی ہے: ایک دن اس کا بیاہ ہو گا' بڑے سرکار اس کا گھونگٹ اٹھائیں گے۔ یا یہ خدمت بھی داسی کو ہی انجام دینا ہو گی! منشی جی پہلے بچوں کے ماسٹر کی حیثیت سے آئے تھے' برسوں پڑھاتے رہے اور وہیں کے ہو رہے انہوں نے اوشا رانی کے عشق میں اپنی جوانی سکھا دی اسے دیکھ کر سوائے ٹھنڈی سانسیں بھرنے کے اور کیا کر سکتے تھے! وہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ پڑھاتے وقت سامنے سے گزر جاتی تو بوکھلا کر الٹی سیدھی باتیں کرنے لگتے۔ اوشا کو یوں انہیں بدحواس کرنے میں بڑا لطف آتا۔ وہ جان جان کر ان کا دل دکھانے کے لئے میٹھے میٹھے قہقہے لگاتی اور چھیڑ چھیڑ کر باتیں کرتی۔

"منشی جی اگر آپ کو پتہ چلے کہ کوئی آپ کا دیوانہ ہے تو آپ کیا کریں؟"

"جی——— جی——— میں———" ماسٹر جی کے پسینے چھوٹ جاتے۔

"میرا مطلب ہے کوئی بھی۔ یوں سمجھئے جیسے کسی لڑکی کو کوئی بڑا ہی گنی انسان

پیار کرتا ہے تو اس لڑکی کو کیا کرنا چاہئے؟"

"وہ..... وہ اس پر دیا کرے!" ماسٹر جی دھوتی سے پسینہ پونچھنے لگے۔

"کیا وہ صاف صاف کہہ دے کہ جی ہاں میں بھی آپ کو پسند کرتی ہوں؟"

"جی---- جی---- اگر----"

"اس میں اگر مگر کی بات ہے؟ آخر وہ ایک اونچی ذات کی کنیا ہے' کوئی نیچ چھچھوری لڑکی نہیں' وہ پرش بھی بہت مہان ہے' بہت سندر اور گنی۔"

"جی؟" ماسٹر جی کو شبہہ ہونے لگتا یہ ان کا ذکر نہیں۔

"مگر وہ منہ سے تو کبھی کچھ نہیں کہتے" اوشا رانی اداس ہو جاتیں "شاید اس لئے کہ یہ اچھی بات نہیں۔ کیوں ماسٹر جی؟"

"جی---- جی ہاں----" ماسٹر جی اور بھی بجھ جاتے۔

اسی لئے تو وہ ان کی پوجا کرتی ہے' انہیں اپنا گرو مانتی ہے' ان کے چرنوں میں جیون بتانا اپنا دھرم سمجھی ہے' مگر وہ کچھ نہیں جانتے' تبھی تو کچھ نہیں کہتے۔ کیوں ماسٹر جی یہی بات ہے؟' اور ماسٹر جی کو اپنے عشق کا انجام صاف نظر آنے لگتا۔ اوشا رانی کا حسن اور جوانی بیچارے کے لئے ایک سزا بن کر رہ گئی تھی۔ کوئی سگا سوتیلا بھی نہیں تھا۔ جو زبردستی شادی کرا دیتا اور وہ اسے بھول جاتے۔ یونہی عاشق نامراد بنے سوکھ رہے تھے۔ اور سلگ رہے تھے۔ ایک ہی جگہ بوند بوند پانی ٹپکے جائے تو پتھر میں بھی گڑھا پڑ جاتا ہے' اوشا کے پیار میں دکھ سہتے سہتے جیسے دل میں گئے پڑ گئے تھے اور کچھ عادت سی ہو گئی تھی' مگر پیار اب کچھ کڑواہٹ دینے لگا تھا۔

کبھی اوشا سے چڑ کر بڑے سرکار اسے جھڑک دیتے' پھر ندامت مٹانے کو جھوٹی امید بندھانا پڑتی۔ وہ مسکرا کر بول لیتے تو اوشا رانی کے دل میں پھول کھل جاتے۔ ماسی اوشا کو سمجھاتی:

"بیٹی یہ تجھے اوندھی سیدھی باتیں کیوں سوجھتی ہیں؟ اگر تو پسند نہ ہوتی تو کیا زبردستی تھی' کہیں اور شادی کرانے کو کہتا۔ وہ تو کسی سادھو سنت کا اوتار ہے۔ رانی' ایسے لوگ عورت کو مٹی سمجھتے ہیں"۔

اوشا رانی کو قطعی انکار نہ تھا بشرطیکہ وہ اس مٹی کو سویکار کر لیں۔

کبھی ماسی کو اوشا پر غصہ آنے لگتا۔ اسی میں کچھ کمی ہے کہ آنکھوں میں نہیں چبھتی۔ وہ اسے بنے ٹھنے رہنے کو کہتیں' تازہ فیشن کی ناک میں رہتیں' اسے کسی نہ کسی بہانے سے سورج کے آس پاس رکھتیں۔

مگر ماسی ٹھیک ہی کہتی تھی کہ یہ لونڈیا چاندنی بڑی ہو کر ضرور کچھ گل کھلائے گی' اس پر جو بہار آئی تو ایک دم گلزار بن کر مہک اٹھی۔ اتنا کٹیلا پن شریف زادیوں میں نہیں ہوتا۔ ضرور کسی بیسوا کی جائی ہو گی۔ کیا پتہ؟

اوشا شاید یہ حسن کا غرا تھا کہ یکایک نڈر ہو گئی۔ بڑے سرکار تک سے ڈرنا چھوڑ دیا۔ وہ آ جاتے تو ایک دم سب کے منہ کو تالا لگ جاتا مگر وہ بیٹھ کے جاتی۔

"چپ رہ چاندنی' بڑے بھیا آ رہے ہیں"۔ ماسی اسے روکتی۔

"کاہے کو چپ رہیں جی' ہم کوئی گالیاں بک رہے ہیں۔ ارے تم بیکار کو ان سے ڈرتی ہو' ہم تو خاک نہیں ڈرتے۔ کل بڑی بڑی آنکھیں نکال کے گھورا تو سمجھے تھے مر جائے گی ڈر کے مارے!"

"ہائے ماں' تجھے گھورا بڑھیا نے"۔

"ہاں"۔

"پھر؟"

"پھر کیا میں نے منہ چڑھا دیا"۔ چاندنی ہنسی۔

"چل جھوٹی"۔

"قسم سے!"

"پھر؟"

"پھر کیا بھاگ آئی"۔

"اور جو ماسی دیکھ لیتی تو؟"

"ارے ماسی سے کون ڈرتا ہے! بس بس بھونکتی ہے' کاٹتی واٹتی کچھ نہیں"۔

"اچھا رہی تو ان سے ڈرتی نہیں تو بڑے سرکار کاہے کو کہتی ہے؟"

"اور نہیں تو کیا کہوں"۔

"بڑھیا کہہ"۔

"دھت"۔

"کیوں؟"

"راجی چڑاتی ہے: کیا وہ تیرے ابھی سے جیٹھ بن گئے جو تو انہیں بڑے بھیا کہتی ہے"۔

"کبھی تو مجھے لاج آتی ہے"۔

"پر ایک دن کہنا تو پڑے گا بڑھیا"۔

"چل ہٹ میں ماردوں گی' ہاں"- چاندنی بن کر شرمانے لگی-

چاندنی بلا کی چلبلی تھی' ابھی اس کی محبت میں سوز کم شرارت زیادہ تھی-

سرد آہیں بھرنے کے بجائے وصول وچپے میں لطف آتا تھا- ماسی پھن اٹھائے ہیوم سرپر سوار رہتی تھی- مجال ہے جو جوان لڑکا لڑکی ضرورت سے زیادہ گھل مل جائیں- ہاں اوشا کو وہ جان جان کے بڑے سرکار کے اکیلے کمرے میں بھیجتیں- شاید کچھ گھپلا ہو جائے تو پھر شادی کرنی ہی پڑے گی- مگر بڑے سرکار تو پتھر تھے- اوشا جیسی جونک بھی نہ لگ سکی- انہیں کبھی ڈر لگتا کہ کہیں یہ لونڈیا چندر کو نہ کسی پھندے میں پھانس لے' مگر انہیں یقین تھا اس میں اتنا دم نہیں کہ بڑے سرکار کی محبت اور رعب چندر کے دل سے نکال سکے - اب تک یہ حال تھا کہ نظر بھر کر دیکھ لیتے تھے تو پتلا پڑ جاتا تھا- کتنا ہی برا سہی پر بڑے بھائی پر جان نچھاور کرنے کو تیار تھا-

پھر یہ بھی سوچتی تھیں کہ اگر لونڈیا سے پھنس گیا تو پھر یہاں سے منہ کالا کر جائے گا' جائیداد کی طرف آنکھ اٹھانے کی ہمت نہ ہو گی-

مگر چاندنی کی ساری دلیری اس دن ختم ہو گئی جس دن اسے بڑے سرکار کی نیت پر شبہہ ہوا- کوئی دوسری ہوتی تو کبھی خیال بھی نہ آتا- وہی اتنی پچ تھی کہ اسے ان کا نچا پن معلوم پڑ گیا- بات یہ ہوئی کہ چاندنی نہا رہی تھی کہ نہ جانے کیسے اس کی چھٹی حس جاگ اٹھی اور ایسا معلوم ہوا کوئی غیر آنکھ اسے تاک رہی ہے- اس نے کپڑے اتار دیئے تھے' بالوں میں ریٹھے ڈال چکی تھی' اسے شبہہ ہوا باغ کی طرف کھلنے والے دروازے کے قریب کوئی ہے- چڑیل مستر کی لونڈیا یا بڑی بدمعاش ہے' ہر وقت تاکا جھانکی کرتی ہے- اس نے جلدی سے تولیا باندھ لیا- دروازے کے شیشے پر جو پرچھائیں پڑ رہی تھی اس سے اندازہ ہوا بچہ نہیں- سایہ جلدی سے ہٹ گیا تو پالش لگے ہوئے شیشے پر جو تھوڑی دیر پہلے کالا نشان تھا ایک دم مٹ کر روشنی آنے لگی- یہ کالا نشان نہیں تھا- کسی نے پالش کھرچ کر جھانکنے کے لئے شیشہ صاف کر دیا تھا اور کسی گندہ ذہن انسان کی آنکھ تھی جو اسے چوکنا دیکھ کر بھاگ گیا- اس نے تھوڑا سا صابن نوچ کر شیشے پر چپکا کر بند کر دیا- مارے ذلت اور شرم کے اسے نہانا دشوار ہو گیا-

دوسرے دن اس نے اوشا سے کہہ کر مرمت کروا دی- مگر چند دن بعد اس نے دیکھا دوسرا شیشہ چنے برابر کھرچا ہوا ہے- وہ اوشا کے غسل خانے میں نہانے

گی مگر ماسی نے اودھم مچانی شروع کی کہ یہ کاہے کے نخرے ہیں' اور وہ سہم کر رہ گئی-

مگر اس نے طے کر لیا کہ وہ کسی طرح جھانکنے والے کو پکڑے گی- اس نے شیشے کا سوراخ بند نہیں کیا' غسل خانے میں جا کر اس نے یونہی پانی گرانا شروع کیا' باغ کے دروازے کی کنڈی کھلی رکھی' اس کی نظریں شیشے پر جمی ہوئی تھیں' جھانکنے والے کو اندازہ نہیں تھا کہ اندر سے ہلکا سا سایہ دکھائی دیتا ہے- جیسے ہی کھرچی ہوئی جگہ پر آنکھ آئی چاندنی نے دھڑے سے دونوں پٹ کھول دیے- سامنے بڑے سرکار کھڑے تھے- اور ان کی آنکھوں میں زمانے بھر کی غلاظتیں بجبجا رہی تھیں---- وہ سکتے میں کھڑی رہ گئی- پھر پلٹ کر اپنے کمرے میں جا کر زخمی چڑیا کی طرح گر پڑی-

اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آ رہا تھا' جیسے اس نے بھگوان کو گوبر کھاتے دیکھ لیا ہو- اگر وہ کسی سے ذکر کرتی تو طوفان کھڑا ہو جاتا- پھر وہ اس گھر میں ایک منٹ نہیں رہ سکتی تھی- اس نے بھو سے صرف اتنا کہا کہ غسل خانے میں کوئی جھانکے نہ اس لئے کاغذ چپکا دیئے جائیں- بھو بیوقوفوں کی طرح منہ دیکھنے لگی- بھلا غسل خانے میں کون جھانک سکتا ہے! اس دن سے اس نے حتی الامکان بڑے سرکار کے سامنا جانا چھوڑ دیا- ان سے آنکھ ملانا تو بڑی بات تھی وہ ان کی طرف دیکھتی بھی نہ کھانے کے وقت بڑی مصیبت تھی مگر وہ چوہیا کی طرح بھو اور چندر کے بیچ میں ایک طرف دبک کر بیٹھ جاتی اور الٹے سیدھے نوالے نگل کر بھاگ کھڑی ہوتی-

بڑے سرکار اس سانحے کے بعد کئی دن اپنے کمرے سے نہ نکلے' نہ کھانا کھایا نہ کپڑے بدلے- رات رات بھر سگریٹیں پھونکتے اور ٹہلتے گزر جاتی- انہوں نے اس نابکار سورج کی بڑی ذلت کی جو اتنا نچ تھا- بس چلتا تو اس کا گلا گھونٹ دیتے-

ماسی اور سارے گھر والے حیران ہو گئے- وہ کسی کی صورت نہیں دیکھنا چاہتے-

سوائے چاندنی کے سب ہی نے بار بار دروازہ کھٹکھٹایا- مگر انہوں نے جھڑک دیا- کئی دن کی پرائشچت کے بعد انہیں یہ یقین ہو گیا کہ چاندنی نے کسی سے کچھ نہیں کہا تو ذرا ڈھارس بندھی- پھر انہیں خیال آیا کہ چاندنی کو ان کے جرم کا کیا پتہ! اگر وہ دروازے کے پاس کھڑے بھی تھے تو اس میں ایسے غضب کی کیا بات

تھی؟ ان کا گھر تھا' وہ مالک تھے۔ ہزار وجوہات ہو سکتی ہیں ان کے وہاں ہونے کی۔ چاندنی میں اتنی ہمت نہیں ہو سکتی کہ وہ ان کی نیت پر شبہ کرے۔ اس یقین کے بعد وہ بڑی دیدہ دلیری سے باہر نکل آئے۔ اسی دن ماسی نے سرنا دیوی کے مٹھ کی جالی میں کلاوہ باندھ کر منت مانی تھی۔ یوں فورا نشانے پر تیر بیٹھتے دیکھ کر وہ سرنا دیوی کے چرنوں میں اوندھی ہو گئیں۔

"ہے ہے بیٹا۔ میرا تو دم نکلا جاوے رہے' کیا بات ہوئی؟"

"کچھ نہیں ماسی' ذرا طبیعت بھاری تھی' سوچا برت ہی رکھ لیا جائے۔ آپ لوگ تو خواہ مخواہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ مجھے کچھ فلسفے کی کتابیں دیکھ کر نوٹس بنانے تھے اس لئے"۔

جب وہ باہر نکلے تو چاندنی جھٹ اندر بھاگ گئی۔ اس کے بعد یہی ہوتا کہ سورج کے نکلتے ہی چاندنی گل ہو جاتی۔ بات آئی گئی ہو گئی' مگر شیر اور ہرنی کی دوڑ شروع ہو چکی تھی۔ شیر کی بو پا کر ہرنی چوکڑیاں بھرنے لگی۔

راتوں کو کبھی چاندنی سوتے سوتے کوئی ڈراؤنا سپنا دیکھ کر ہچکیوں سے رونے لگتی' جیسے دور سنسان جنگل میں وہ سوکھے پتوں کے ڈھیر پر جا پڑی ہے' آس پاس بھیانک سناٹا ہے اور کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔ وہ بھاگ رہی ہے' دو آنکھیں اپنی بانبیوں سے نکل کر اس کی طرف رینگ رہی ہیں' اس کے پیروں میں الجھ رہی ہیں! لمبے لمبے سانپوں کی طرح لہرائی ہوئی آنکھوں نے اس کا بند بند جکڑ لیا ہے' ایک انجانا ڈر اس کے وجود کے ہولے ہولے پیس کر نگل رہا ہے۔ اس کی سانس رک گئی ہے' پھیپھڑے چپک کر چپاتی ہو گئے ہیں' اب دم واپس نہ آئے گا۔ اور وہ جنم جنم یونہی نیچے۔ بہت نیچے گرتی جائے گی۔ پھر اس کی آنکھ کھل جاتی' لمبا سانس کھینچ کر وہ ہچکیوں سے رونے لگتی' دھیرے دھیرے' کہ کہیں پاس سوتی ہوئی ہمو کی نیند نہ حیران ہو جائے۔

وہ کہاں پیدا ہوئی تھی؟ کیا اسے بھی کسی ماں نے جنم دیا تھا؟ اس کا بھی کوئی باپ تھا؟ تو پھر کیوں سب اس کو چھوڑ کر گم ہو گئے؟ یا شاید کوئی پری اسے دھرتی پر پھینک کر بھول گئی!

اس کا روم روم ٹھاکر خاندان کے بندھنوں میں جکڑا ہوا تھا۔ گھورے پر سے اٹھا کر چ میں انہوں نے اسے شہزادی بنا دیا تھا۔ اور چندر---- بغیر چندر کے چاندنی کہاں ہو سکتی ہے؟ وہ دنیا کتنی دکھ بھر اور اندھیری ہو گی جہاں چاند ہو گا' وہ

چندر کی چھایا ہی تو تھی جبھی تو ہر دم اس میں سما جانے کی خواہش بچپن سے رکھتی تھی۔ کتنی ڈھارس تھی اس کے پیار میں! وہ اسی کی تھی---- اس نے پڑی پائی تھی نا!

ہمو! نہ جانے پچھلے جنم میں اس نے کون سے پن کئے تھے جو ہمو جیسی سہیلی انعام میں ملی۔ ہمو کی دوستی' بہنا پایا ممتا جو کچھ بھی کہہ لو' اس کے جیون کا سب سے حسین، روان تھی۔ ہمو انسان نہیں کسی دیوی کا اوتار تھی' ہمیشہ ماں کی طرح اسے بچائے رکھتی۔

اوشا دیدی کے کیا کہنے' وہ تو اوشا دیدی ہیں نا۔ گھر کی رانی! کسی کو ان سے شکایت نہیں۔ سب کو پیار دیتی ہیں' سب کا خیال رکھتی ہیں۔ دل والی ہیں نا۔ مگر ان کے دیوتا بالکل کھڑ نجا' آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے کہ بچارن ہاڑ ماس کی تپلی ہے یا بھربھری ریت کا ڈھیر! کچھ نہیں' مانگتی' دل کی سانگری سلگائے ماتھا ٹیکے پڑی ہے۔ کبھی تو دیوتا کی آنکھ جاگے گی' اس کے ہردے سے ست کا شعلہ کوند کر ان کے دل میں اتر جائے گا' پھر جیون سپھل ہو جائے گا۔ ہاتھ جوڑ کر چاندنی بھگوان کے حضور میں ماتھا ٹکا دیتی:

ہے بھگوان! کب پسیجو گے؟ اوشا دیدی کا کلیان کب ہو گا؟ چڑیا کب تک پیاسی تڑپاؤ گے؟"

مگر چاچی تو صرف بھونکتی ہے' کاٹتی وہ بھی نہیں۔ جوانی میں میاں چل دیئے' تب سے بس اوشا کے لئے جی رہی ہے۔ اسے گھر کی رانی بنانے کی دھن میں ہر ایک کی سیوا پر جٹی ہوئی ہے۔ نہ کھانے کا شوق نہ پہننے اوڑھنے کا' بس ایک ہی فکر ہے کہ اوشا کا نصیب جاگ اٹھے ایسی کون سی بڑی بھاری آرزو ہے جو بھگوان کو پورا کرتے۔ آلس آتی ہے۔ ساری وانتا کل کل اسی بات کی تو ہے' کہ سرکار بھینٹ سویکار نہیں کرتے۔ اے پالن ہارا ان کے دل میں اوشا کا پیار بھر دے تو تیری خدائی میں کون سا ٹوٹا آ جائے گا؟ پھر یہ انجانے بھوت نہ ستائیں گے۔

اس نے باتوں باتوں میں یونہی ایک دن چندر کو ٹٹولا: "چندر جی۔"

"ہوں۔"

"چاندنی مر جائے تو کیا کرو گے؟"

"چاند ڈوب جائے تب ہی چاندنی مر سکتی ہے۔ تو مجھے کوس رہی ہے؟" چندر آنکھیں موند کر بولا۔

"ہائے میرا منہ جلے' تجھے کوسوں گی؟ پر زندگی کا کیا بھروسہ لوگ مر جاتے ہیں۔"

"چلی پگلی' اس وقت موت کیوں یاد آ رہی ہے؟"

"پتہ نہیں چندرو جب تو پاس ہوتا ہے تو مر جانے کو من چاہتا ہے۔"

چاندنی نے ٹھنڈی سانس بھری اور اپنا گال اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ "اچھا اگر کوئی مجھے تجھ سے چھین لے تو؟"

"اوسنگ' کوئی نہیں چھین سکتا' گولی مار دوں گا۔"

"تیرے بھیا بھی نہیں چھین سکتے؟"

ایک دم چندر اسے دور جھٹک کر اٹھ بیٹھا' اس کی آنکھوں میں چنگاریاں چٹخنے لگیں: "تو نے بھیا کا نام کیسے لیا؟"

"چندرو——" چاندنی نے سہم کر اس کا ہاتھ چھوا۔

"کمینی' وہ میرے پتا سمان ہیں۔" دہشت سے چندر کی آواز گھٹ گئی۔

"بھول ہوئی چندر' میرے منہ سے نکل گیا۔ میں نے یہ تھوڑی کہا۔"

"منہ توڑ دوں گا جو آئندہ تو نے ایسی بات منہ سے نکالی۔ وہ مجھے کتنا چاہتے ہیں' اور تو اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہے بھنگن؟"

"میں تیرے چرنوں کی دھول ہوں چندر—— تیری چھایا۔" وہ پاس گھسنے لگی۔

"دور ہٹ' مجھے غصہ آ رہا ہے۔ تو نے بھیا کو گالی دی۔"

"تو مجھے مار چندرو۔ زور سے تھپڑ مار۔" چاندنی آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

"ہٹ۔" چندر نرم پڑ گیا۔

"چندر میں نے تو یونہی کہا پگلے' تو کیا سمجھ بیٹھا؟ تیرے میرے بھی مالک ہیں' میرا مطلب تھا وہ—— وہ مجھے گھر سے نکال دیں اور۔" چاندنی نے بات پلٹی۔

"تو میں بھی گھر سے نکل جاؤں گا' مگر ایسا نہیں ہو گا۔ بھیا بڑے نیک ہیں' میری ضد آج تک انہوں نے نہیں ٹالی۔"

"مگر میں—— میں تو رام جانے کون ہوں' تو ٹھاکر کا پوت۔"

"تو چاندنی ہے اور بس اس کے آگے میں کچھ نہیں جانتا۔" چندر نے اسے بانہوں میں لے کر اتنی زور سے بھینچا کہ اس کی جان کھینچنے لگی ٹھنڈی ٹھنڈی گھاس پر دونوں لوٹ گئے۔ ایک دم چاندنی نے بچاؤ کے لئے چندر کے بال پکڑ لئے' مگر یہ

دیکھ کر اس کا دل کانپنے لگا کہ بجائے دور ہونے کے وہ اس میں سمانے لگی۔

ایک دم خشک پتوں میں سرسراہٹ ہوئی اور دونوں تڑپ کر دور ہو گئے۔ بڑے سرکار لاپرواہی سے آسمان کی طرف نظریں جمائے ہاتھ میں بندوق لئے دکھائی دیئے۔ چاندنی جلدی سے پیڑ کے تنے کی آڑ میں ہو گئی۔ یونہی بڑے سرکار نے چندر کی طرف دیکھا جو چور بنا گھاس پر پڑا تھا۔ ان کی آنکھوں میں سانپ پھنکار رہے تھے۔ چندر ایک دم ڈر کے کپڑے جھاڑتا کھڑا ہو گیا۔

ایک دم بڑے سرکار مسکرا پڑے' بڑی نرمی سے بولے:

"گیلی گھاس پر لیٹتے ہو' سردی ہو جائے گی۔ جا کر سویٹر پہنو۔"

"جی۔ جی۔" چندر بھاگنے لگا۔

"امتحان کی تیاری کر رہے ہو۔"

"جی۔"

"پڑھنے کے لئے یہ جگہ تو اچھی ہے پر کتابیں کہاں ہیں؟"

"آ—— وہ—— کرے ہیں——"

"خیر کوئی بات نہیں' مگر قاعدے سے تمہیں بھی کمرے ہی میں سونا چاہئے۔"

"جی۔"

وہ ایک سوکھے ہوئے پیڑ کے تنے پر بیٹھ گئے' بندوق کھول کر خالی کارتوس نکالا اور پھونک سے نالی صاف کی۔ چندر بدھو کی طرح کھڑا تھا' انہوں نے جو بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو یک دم بھاگا۔

بڑے سرکار نے نیا کارتوس ڈال کر کھٹ سے بندوق بند کی۔ چاندنی کا دم نکل گیا' جیسے دھائیں سے گولی اس کے سینے میں لگی۔ وہ پیڑ کے تنے سے لگ کر کھڑے ہو گئے' پیڑ ہلا تو چاندنی منہ کے بل گرتے گرتے سنبھل گئی۔ آہستہ آہستہ پہلے بندوق کی نالی نظر آئی' پھر ہاتھ اور کندھا پیڑ کی آڑ سے سرکا۔ چاندنی دبے پاؤں سرک کر پھر آڑ میں ہو گئی مگر بندوق کی نال بھی اسی رفتار سے ایک دائرے میں گھوم کر پھر سامنے آ گئی۔ چاندنی بری طرح لرز رہی تھی' پسینے کی لڑیاں اس کے سارے جسم پر رینگنے لگیں۔ وہ تیزی سے مڑی کہ ایک ہی چھلانگ میں بھاگ نکلے مگر وہیں کی وہیں پتھر بن کر رہ گئی۔ بندوق کی نال اس کی آنکھوں کے سامنے سانپ کے پھن کی طرح پھنکار رہی تھی۔

دو گہرے کنوئیں—— جو میلوں دور گہرائی میں ڈوبتے چلے گئے تھے۔ جن کی

تہہ میں گولیاں تھیں- بندوق کی نال کے جادو سے آنکھیں چھڑا کر اس نے ان سے بھی زیادہ خطرناک زہر میں بجھی سنگینوں جیسی آنکھوں میں ڈرتے ڈرتے دیکھا تو نفرت اور غصے کے شعلے لپک رہے تھے- باوجود کوشش کے وہ ان کی آنکھوں کے بھنور سے اپنی آنکھیں نہ چھڑا سکی-

مگر وہ سنانے میں رہ گئی جب ایک دم بس بھری پھنکارتی ہی آنکھوں کے پھن جھک گئے' بڑے سرکار کی پیشانی پر پسینہ پھوٹ نکلا بندوق کی نال پلکوں کی لرزش کے ساتھ جھکتی گئی- بڑے سرکار پر ایک دم جیسے پہاڑ ڈھے پڑا' ان کا لمبا چھریرا جسم جھول گیا کندھے جھک گئے ٹانگیں جلے ہوئے کاغذ کی طرح چر مر ہو گئیں اور وہ صابن کے جھاگ کی طرح اس کے قدموں میں سرنگوں ہو گئے-

ہرنی کو گھائل کرنے میں اگر شکاری خود یوں چت ہو جائے تو وہ بھی دم بھر کے لئے بھونچکی ہو کر چوکڑی بھول جائے گی- مگر دوسرے لمحے وہ سنبھلی اور بندوق کی نال کو پھلانگتی ہوئی تیر کی طرح حویلی کی اور بھاگ کھڑی ہوئی-

بیکار کی متھا پھوڑی ہے ماسی جی' اس چٹان پر پھول کھلانے کی آشا چھوڑ دو-

منشی جی چٹکیاں بھرے جا رہے تھے- ماسی بڑے سرکار کے لیے ناشتہ سجا رہی تھیں- اوشا کو پکارا تو ویسے ہی سر جھاڑ جھنکاڑ اٹھی چلی آئی- ان گنوں بن چکیں رانی- الٹے پاؤں انہوں نے اسے کپڑے بدلنے کو واپس بھیجا- منشی جی بڑا گندہ سا قہقہ مار کر چھیڑنے لگے-

"بھونکے جا موئے- پیر کی جوتی کو بھی دن لگے ہیں کہ سر چڑھی آئی ہے-" ماسی بگڑنے لگیں-

"پر میں تو تمہارے ہی بھلے کو کہتا ہوں- کیوں بٹیا کی جوانی کو دیمک لگا رہی ہو- کیا ساری عمر ڈال پر ہی لٹکائے رکھو گی؟ میری کسم طوطے مینا ٹھونگیں مار کر کھوکھلا کر دیں گے-"

"دیکھو منشی نگوڑے میرے منہ نہ لگ' ہاں-"

پر میں کہوں کچھ بھید ضرور ہے! اپنی کسم سترہ سال سے ڈیوڑھی پر ڈیوٹی دے رہا ہوں آج تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی-"

"اوئی' موئے نہ جانے کیا بک رہا ہے-"

"تم ٹھہریں عورت ذات' اب تمہیں کیا بتائیں؟ پر سچ بتاؤ کبھی سنا کہ بڑے سرکار نے مہترانی کو چھیڑا کہ دھوبن کی کولیا بھر لی؟"

"اے پھٹکار تیری صورت پہ' اسے بھی تو نے سچ سمجھا ہے اپنی طرح! ٹھاکر کا پوت موئی مہترانی دھوبن سے چھیڑ کرے گا-"

"ایسا تو نہ کہو میا' ہم جانیں ہیں ان ٹھاکروں کی ٹھکرائی یاد ہے- بڑے ٹھاکر کا زمانہ؟ سالی دن سی گلی چھوڑ دی تھی!"

"تب ہی تو سڑ سڑ کر مرے میرا سورج ایسا نہیں- منشی تو نا سمجھے گا اسے گیان دھیان سے ناطہ رکھنے والے من میں کھوٹ نہیں رکھتے-" ماسی نے ٹھنڈی سانس کھینچی-

"اچھا جی ہٹاؤ سالی مہترانی دھوبن کو اپنی اوشا رانی ہیں' کیا سندرتا ہے کہ دیوتاؤں کی رال ٹپکے' مگر بڑے سرکار نے کبھی ان سے پیار سے چھیڑ خانی کر لی؟"

"خبردار جو تو نے میری بٹیا کا نام لیا۔ حرام زادے' چل دور ہو۔" ماسی نے کھڑاؤں اٹھائی اور منشی جی دور بھاگے۔

"اچھا جی گرم کاہے کو ہوتی ہو' مگر کہے دیتا ہوں کچھ معاملہ ضرور ہے۔ ایسا بھی سالا کیا گیان دھیان۔ اپنی اوشا رانی کچھ بینکا سے کتی ہیں؟ مگر میا یہ وشوامتر تو مجھے کاٹ کا الو جان پڑتا ہے۔ یہ سرنا دیوی کے ہاں کاہے کو بیکار متھا پھوڑی کر رہی ہو' یہ بھوت ان کے بس کا نا ہے۔"

کھڑاؤں ان کے ٹخنے پر کھٹاک سے لگی اور وہ بلبلا کر کوستے ہوئے بھاگے۔

"ہائے رام مر گیا۔" وہ بلبلائے۔

"ہوش میں رہنا منشی جی۔" ادھر سے اوشا رانی بنی ٹھنی چلی آ رہی تھی' وہ سمجھی اسے منشی نے پھر چھیڑا منشی جی بھڑک اٹھے: "ایسی تیسی سالی کھڑاؤں کی بچی۔" انہوں نے کھڑاؤں میں زور کی ٹھوکر لگائی۔ "میرا صبر سمیٹو گی۔ تم ماں بیٹی تو یاد رکھو۔ ہاں۔" اور وہ تنگڑاتے' بڑبڑاتے چل دیئے۔

سر سے پیر تک گلابی جوڑے میں اوشا رانی بڑی نازک اور حسین لگ رہی تھی۔ ستائیس برس کی بالکل نہیں معلوم ہوتی تھی۔ منہ پر شرم و حیا کی ہلکی ہلکی افشاں نے اور چار چاند لگا دیئے تھے۔

وہ ناشتے سے لدی پھندی کشتی لئے دبے پاؤں کمرے میں پہنچیں تو بڑے سرکار ہاتھ میں شکاری چاقو لئے میز پر جھکے ہوئے تھے ان کے سامنے ننگی عورت کی ایک تصویر بری طرح کٹی پھٹی پڑی تھی۔ اوشا کی چیخ نکل گئی اور کشتی ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔

بڑے سرکار چونک کر پلٹے۔ اوشا نے دیکھا اس کے سامنے اس کے من مندر کے دیوتا کے بجائے ایک شیطان کھڑا ہے' اس کے خونخوار دانت باہر کو نکل آئے ہیں اور آنکھوں میں دیوانہ پن بھرا ہے۔

"کیوں آئی ہو تم؟" بڑے سرکار نے زور سے چاقو میز پر مارا اور تصویر سمیٹ کر مسل ڈالی۔

"نا---- ناشتہ----" اوشا نے لرز کر کہا اور ایک دم منہ چھپا کر جانے لگی۔

"اوشا۔" وہ ڈر کے ایک دم کھڑے ہو گئے۔ اوشا رک گئی۔

"اوشا' ادھر آؤ۔" بڑی نرمی سے بولے۔

"جی۔" اوشا نے پلٹ کر کہا۔

"تم---- تم۔ ---انی تکلیف کیوں اٹھاتی ہو؟"

"تو اس میں کیا برائی ہے؟ جیسے نوکر لایا ویسے میں اٹھا لائی!"

"مجھے اچھا نہیں لگتا۔" اوشا نے کچھ جواب نہیں دیا' آنسو پونچھ کر جانے لگی۔

"سنو۔"

وہ پھر رک گئی۔

"تم نے میری بات کا برا تو نہیں مانا۔" بڑے سرکار نے کن انکھیوں سے نوکری کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں' اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟ میری بھول تھی' کشتی گر گئی۔"

"اصل میں میں پریشان تھا۔ یہ تصویر۔"

"جی؟"

"چندر کی حرکتوں نے تو عاجز کر دیا ہے۔ پتہ نہیں اس کے سر میں یہ گندگی کیوں بھری ہوئی ہے۔ ایسی بیہودہ تصویریں کہاں سے لاتا ہے؟"

اوہ! تو یہ تصویریں انہوں نے چندر سے چھینی ہوں گی۔ ایک دفعہ ان کے کاغذات درست کرتے میں اوشا کو تصویریں ملی تھیں۔ اسے چندر پر بہت غصہ آیا۔ سور کہیں کا! ٹھیک ہی تھا غصہ' ایسی گندگی تصویریں کاٹ کر پھینکنے کے لائق ہیں۔

اوشا کے جانے کے بعد بڑے سرکار میز پر پست ہو کر گر پڑے۔ میز پر کھینچے ہوئے چاقو کے گھاؤ ابھر کر گرم گرم زندہ گوشت کی طرح مچلنے لگے ان کا سارا جسم پسینے سے بھیگ گیا' عاجز آ کر انہوں نے مٹھیاں بھینچ کر کنپٹیوں پر رکھ لیں اور لمبی لمبی سسکیاں بھرنے لگے۔

ہانپتی کانپتی چاندنی پلنگ پر گر کر سسکیاں بھرنے لگی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا اس کا سارا جسم خونم خون ہو چکا ہے۔ جسم پر کوئی خراش نظر نہیں آئی مگر دم ٹوٹنے کا احساس دل کو سرد سرد انگلیوں سے چھوئے جا رہا ہے

اگر کوئی آ جاتا' کوئی دیکھ لیتا؟

کاش چندر دیکھ لیتا۔ پھر وہ زندہ نہ رہ پاتی' چھٹی ہوتی۔

وہ تو اتفاق سے اصطبل سے گھوڑا چھوٹ کر لان پر آ گیا۔ اور اس کے ساتھ تمام نوکر چاکر بھی دوڑ پڑے' ورنہ اس وقت لاؤنج کے سفید براق قالین پر اس کے خون کے لال لال پھول کھلے ہوتے۔ وہ زینے سے بے تحاشا اتری چلی آ رہی تھی' اس کی بھاگ سی اوڑھنی پیچھے بھاگ رہی تھی' ایک ہاتھ سے اس نے کتابیں سنبھالیں اور دوسرے ہاتھ سے دوپٹہ' مگر جھٹکا دینے پر دوپٹہ چھوٹ گیا۔ اس نے مڑ کر دوپٹہ اٹھانا چاہا تو ہاتھ ہوا میں اڑتا رہ گیا اور کتابیں ہاتھ سے چھوٹ پڑیں۔ زینے کی سب سے بلند سیڑھی پر بڑے سرکار کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں اس کا دوپٹہ تڑپ رہا تھا۔

لمبے لمبے سانپ ان کی آنکھوں کے حلقوں سے نکل کر اس کے گرد لپٹنے لگے۔ بڑے سرکار کے ہاتھ میں شکاری چاقو تھا اور کلائی کو ہولے ہولے ہلا دے کر وہ اس کا دوپٹہ لپیٹ رہے تھے۔

"بہت ڈر لگ رہا ہے؟" انہوں نے اس کے اوپر جھک کر پوچھا اور چاقو کی نوک سے اس کے گریبان کا بٹن چھوا۔ ہولے سے انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ہتھیلی پر چاقو کی دھار رکھ دی۔ مگر چاقو اس کی ہتھیلی کے پار ہونے کے بجائے اس کی کلائی پر رینگنے لگا۔ پھر بازو سے ہوتی ہوئی اس کی نوک نرخرے پر ٹک گئی۔

چاندنی کی روح تک برف کی دھار اتر گئی۔ وہ آنکھیں جھکائے سانس روکے کھڑی رہی۔ چاقو پھرتی سے مڑا اور گریبان کا بھلا بٹن کٹ کر سیڑھیوں پر پنگ پنگ کرتا نیچے اتر گیا۔

ایک ایک کر کے سارے جِن ہوا کے اشارے سے کٹ کر گر گئے بغیر سسکی بھرے لمبے لمبے آنسو اُمڈ اُمڈ کر گالوں پر بہتے رہے۔ بس کسی سے لٹکے ہوئے ہاتھوں کی ساری طاقت سلب ہو چکی تھی۔ چاقو کی سرد نوک عین اس کے دل کی دھڑکن پر آ کر ٹھٹک گئی۔ آگ کا ایک برما اس کی روح کی گہرائیوں کو چیرتا ہوا دھنسنے لگا' دماغ میں خاموش دھماکے چھوٹنے لگے۔

اس سے پہلے کہ جوالا مکھی پھٹ پڑتا اور وہ اس میں بھسم ہو جاتی گھوڑا چھوٹ کر لان پر طوفان مچانے لگا اور ایک دم جیسے دنیا جاگ پڑی۔ چاندنی شل ہو کر سیڑھیوں پر سرنگوں ہو گئی۔ اس نے دیکھا بھی نہیں کہ بڑے سرکار کدھر غائب ہو گئے۔ وہ تھے بھی وہاں یا ان کا بھوت تھا' یا خود اس کے پریشان دماغ کا تراشا ہوا چھلاوا تھا جو دم بھر میں گم ہو گیا!

وہ کس سے کہے؟ اور کیا کہے؟ ایک چیونٹی ایک مہان دیوتا کے خلاف کیسے زبان کھول سکتی ہے؟ کون ہے اس کا گواہ اور کون وکیل؟ ہوا اس کی گوئیاں تھی' اس پر جان چھڑکتی تھی مگر کیا وہ بڑے بھیا کی شان میں یہ گستاخی برداشت کر سکے گی؟

بڑے سرکار اس سے نفرت کرتے ہیں کیونکہ وہ ڈرتے ہیں کہیں چندر اس سے ناطہ جوڑ کر ٹھاکروں کے خاندان کو داغ نہ لگا دے وہ نیچ ہے' کسی کے پاپوں کا پھل ہو گی تبھی تو اسے کوڑے پر پھینک دیا گیا۔

ایک بار پھر ایک گولی سی اس کی چھاتی پر لگی: سامنے ہال میں بڑے سرکار کی تصویر سنہری چوکھٹے میں جگمگا رہی تھی' اس کے سامنے پھول اور عود دان میں بجھے ہوئے کوئلے پڑے تھے۔ روز شام کو اوشا رانی اس تصویر کے سامنے تازہ کلیاں چن کر ڈالتی تھیں ور سارے کمرے میں دوب تھما کر عود دان تصویر کے قدموں میں رکھ دیتی تھیں۔

اس کا جی چاہا ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر تصویر پر کھینچ مارے۔ غصے اور نفرت سے اس کا منہ سوکھ گیا' جیسے حلق تک راکھ اٹ گئی ہو۔

ایک دم اسے معلوم ہوا جیسے تصویر مسکرا رہی ہے' زہر بھری آنکھیں ناچ رہی ہیں۔ وہ پلٹ کر بھاگی اور سیڑھیوں سے اترتے ہوئے چندر سے ٹکرا گئی۔

"کیا ہے جی۔" چندر نے اسے سنبھال لیا۔

"ہائے چندر جی۔" وہ اس کی چھاتی پر ہونٹ رکھ کر پھوٹ پڑی چندر نے فوراً

موقعے سے فائدہ اٹھا لیا۔ اس کے پیار میں اتنا لطف اتنی مٹھاس تھی کہ چاندنی پگھل گئی۔

"ہے رام! چندرو مجھے کھا لے' سموچا کھا لے۔" وہ پیار کی شدت سے تڑپ اٹھی۔ چندر کے قرب سے اس کے دماغ میں چنگاریاں پھوٹنے لگیں تھیں' تب اسے چندر پر غصہ آنے لگتا تھا۔ ایک ہی وقت میں اس میں سما جانے اور اس سے دور بھاگنے کا جذبہ ابھی اس کے قابو میں نہیں آیا تھا۔ پندرہ سال کی چاندنی زندگی کے بہت سے سوالوں کا جواب نہ پا کر خوف زدہ رہ جاتی تھی۔ ایک انجانا خوف اسے چندر کے قرب کی لذت سے دور بھاگنے کی ترغیب دیتا اور جب درمیان میں فاصلہ حائل ہو جاتا تو جی سسکنے لگتا۔

ذرا سی دیر میں چندر نے اسے ہنسا دیا۔ تھوڑی دیر پہلے کی سہمی ہوئی بچی دم بھر میں مغرور حسینہ بن کر اترانے لگی۔ ہرنی کی طرح بھاگتی' قہقہے لگاتی وہ لان پر سے کاوے کاٹتی برآمدے پر چڑھ گئی۔ اندر ڈرائنگ روم میں اندھیرا تھا۔ دریچوں میں سے دھندلی دھندلی روشنی چھن رہی تھی۔ چندر ایک گملے سے الجھ کر گرا اور وہ قہقہے لگاتی گیلری کی طرف بھاگنے لگی۔ مڑ کر اس نے دیکھا' چندر کے قدموں کی چاپ سے اسے اندازہ ہو گیا کہ اب راہ فرار نہیں' وہ ضرور پکڑے گا۔ جونہی وہ زینے کی طرف جانے کے لئے پلٹی دو فولادی ہاتھوں نے اسے جکڑ لیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر سلگتا ہوا پھن محسوس کیا اور سن سن کرتا ہوا زہر اس کے وجود میں ڈوب گیا۔ نیچے---- نیچے وہ تہہ میں جا لگی۔ اب کبھی سانس واپس نہ آئے گی۔ دور چندر کے قدموں کی آواز کھوتی جا رہی تھی۔ چندر---- چندر مان---- تن من کا زور لگا کر وہ تہہ سے ابھری اور بھاگ کر چندر کے سامنے منہ کے بل گر گئی۔

"ارے کیا ہوا؟" وہ اس کی گھگی بندھی دیکھ کر ڈر گیا۔

"وہ---- وہ----" اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور آواز حلق میں گھٹ رہی تھی۔

"کیا ہے پگلی" چندر نے گیلری میں جا کر دیکھا۔ ستون سے سہارا لئے بڑے سرکار کھڑے تھے' ان کے چہرے کا بھیانک پن دیکھ کر چندر خود ڈر گیا۔

"ارے بڑے بھیا۔ کیسی پگلی ہے چاندنی' آپ کو دیکھ کر ڈر گئی۔" چندر کھسیانی ہنسی ہنس کر بولا اور جلدی سے چاندنی کو اپنے سے دور دھکیل دیا۔ پھر بدھوؤں کی طرح سر کھجانے لگا۔ دوسرے ہاتھ میں سگریٹ تھی' جھٹ جیب میں ڈال کر مسل

دی۔

چاندنی نے کچھ کہنا چاہا' پھر چندر کے احمق چہرے کو دیکھا اور سسکیاں بھرتی بھاگی۔ چندر بھی کترا کر جانے کو مڑا تو بڑے سرکار نے بڑی گمبھیر تواز میں پکارا:

"چندر۔"

"جی۔" چندر اچھل پڑا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ مہربانی سے میرے ساتھ آؤ۔"

چندر ان کے لہجے کی سختی سے لرز اٹھا مگر چپ چاپ بھیگی بلی بنا ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

"بیٹھو۔" بڑے سرکار نے اشارے سے کہا اور بے چینی سے ٹہلنے لگے۔ چندر کے پسینے چھوٹ رہے تھے' جی چاہ رہا تھا چپکے سے کھسک لئے' پھر کئی دن صورت نہ دکھائے۔ اتنے دن میں بڑے سرکار سب بھول بھال جائیں گے۔

ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک دم رک گئے اور چندر کو ایسے گھورنے لگے جیسے سوچا نگل ہی تو جائیں گے۔

"یہ لیجئے۔" انہوں نے ایک جھٹکے سے سگریٹ کیس پیش کیا۔

"جی---- جی نہیں۔" چندر اچھل پڑا۔

"خیر' آپ کی مرضی' شاید چوری چھپے پینے ہی میں زیادہ لطف ہے۔" جب بڑے بھیا کو بہت غصہ آتا تھا تو وہ آپ جناب پر اتر آتے تھے۔

"تم چاندنی سے محبت کرتے ہو؟"

"جی---- جی---- نہیں---- جی----" چندر کی گھگی بندھ گئی۔ وہ اس قدر شدید حملے کے لئے تیار نہ تھا۔

"جھوٹ بول کر ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرو۔" وہ گرجے۔ تمہاری حرکتیں ضرورت سے زیادہ ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہیں۔ غصے میں ایک اور بھی حرکت کرتے تھے' یعنی انگریزی میں ڈانٹتے تھے۔

چندر کا سر اور نیچے جھکتا جا رہا تھا۔ بڑے بھیا فراٹے سے لیکچر جھاڑ رہے تھے۔ چاندنی سے محبت کرنے کا الزام کوئی نئی بات نہ تھی: وہ اسے مستقل چھیڑا کرتی تھی' ماسی بھی طعنے دے چکی تھی اور اوشا دیدی نے تو جیسے بات ہی پکی کر دی تھی۔ مگر وہ ہمیشہ 'ہشت' کر کے ٹال دیا کرتا تھا۔

شادی کی ضرورت اس نے ابھی تک محسوس نہیں کی تھی۔ مگر بڑے بھیا کے

منہ سے یوں پھٹ سے سن کر اوسان خطا ہو گئے۔

"میں نے کیا غلطی کی ہے چندر۔"

"جی؟" چندر نے بے دھیانی میں قطعی نہیں سنا کہ بھیا جی کیا کہہ رہے تھے۔

"کیا آج تک میں نے کوئی حرکت کی ہے جس سے تمہیں یا پرمیلا کو یا گھر کے کسی بھی فرد کو نقصان پہنچا ہو۔"

"جی نہیں بڑے بھیا۔"

"کیا میں نے ایمان داری سے اپنا فرض پورا نہیں کیا؟ کیا تمہارے ساتھ کچھ ناانصافی کی ہے؟ میں نے تمہیں شکایت کا کون سا موقع دیا ہے؟"

"نہیں' کبھی کوئی ناانصافی نہیں کی بڑے بھیا۔"

"تو پھر تم مجھے کس جرم کی سزا دے رہے ہو؟"

"میں؟ میں تو بڑے بھیا۔" چندر منمنایا اور بھاگ نکلنے کے پینترے سوچنے لگا۔

"تم جانتے ہو تمہاری اس نیچ حرکت کا خاندان پر کیا اثر پڑے گا؟ دنیا کیا کہے گی؟ تم---- اسے چاہتے ہو' جھوٹ مت بولو۔ وہ تمہارے دل و دماغ پر آسیب بن کر چھا چکی ہے' تمہارے ہوش حواس گم ہو چکے ہیں اور تم جال میں پھنسی ہوئی مچھلی کی طرح تڑپ رہے ہو اور کچھ نہیں کر سکتے۔ ایک حقیر چیونٹی نے پہاڑ کو اپنے قدموں میں جھکا دیا ہے۔ تم جانتے ہو تم کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ تم سوریہ ونشی ہو اور وہ------ وہ ایک گمنام نیچ چھوکری جس کے ماں باپ کا پتہ نہیں' جو شاید کسی بے شرم انسان کے پاپوں کا پھل ہے: تم اس سے بیاہ کر کے خاندان کے نام پر داغ لگانا چاہتے ہو' تم اندھے ہو گئے ہو' تم نہیں جانتے اس کا انجام کیا ہو گا۔ تم پاگل ہو جاؤ گے---- پاگل---- پا----"

ایک دم بڑے سرکار خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے---- ان کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور وہ آئینے کے سامنے کھڑے خود اپنے آپ کو پھنکار بھیج رہے تھے۔ سہم کر انہوں نے چندر کی طرف دیکھا مگر کرسی خالی تھی۔ چندر نہ جانے کب بھاگ گیا اٹھ کر۔

"اوہ بھگوان! بھگوان!" وہ سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئے۔ "مجھ سے کون سی چوک ہو گئی جس کی اتنی کڑی سزا دے رہے ہو۔ نہ جانے کب تک اکیلے وہ اپنے ذہن کے لگائے ہوئے زخموں کی آگ میں پڑے جھلستے ہے' تڑپتے رہے۔

جلتے جلتے خون کی ایک لہر بڑے سرکار کے دماغ سے ٹکرائی' ان کے ہاتھ میں قلم کانپنے لگا اور آنکھوں کے آگے سرخ بگولے ناچنے لگے۔

"تم---- تم اسے پسند کرتے ہو؟" انہوں نے گھٹی ہوئی آواز میں منشی سے پوچھا۔

"جی---- جی سرکار۔ لونڈیا ہے تو پٹاخہ' دہائیں سے کلیجے پر چوٹ لگتی ہے اور پھر حضور میں نے سرکار کا نمک کھایا ہے' اگر آپ میری کھال کی جوتیاں بنا کر پہنیں تو بھی میرے بھاگ چھوٹے سرکار بالکل ہی قابو سے باہر ہوئے جا رہے ہیں۔" انہوں نے دوسرے کاغذات دستخط کے لئے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کی پریشانی بھی دور ہو جائے گی اور میں۔" منشی جی منہ ہی منہ میں رس گلا گھلا کر بولے۔

"اور تم---- اور بڑے سرکار کی گردن کی رگیں سلاخوں کی طرح تن گئیں' تلوے سنسنانے لگے اور نتھنے پھول گئے۔

"جی ہاں سرکار' اکیلی جان کب تک گھسیٹوں! دو چار سال میں جوان پٹھی ہو جائے گی تو مصیبت ہو جائے گی۔ ماں جی کی تو ابھی سے نیندیں اچاٹ ہو گئی ہیں۔ کوئی ایسی ویسی بات کر بیٹھے چھوٹے سرکار تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ ان کا بھی کیا دوش' لڑکی ہے ہی آفت کی پرکالہ' بڑے بڑوں کے چھکے چھڑا دے سرکار' پھر وہ تو نادان ہیں۔ اسی لئے میں نے سوچا میں کس دن کام آؤں گا؟ ہاں سرکار رام جانے بھنگی کی ہے کہ چمار کی' مگر حضور کے ٹکڑوں پر پلا ہوں میرا کیا ہے----"

"تم اس سے---- شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"جی ہاں' قصہ ختم ہو جائے گا' کسی کو کچھ کہنے سننے کی ہمت بھی نہ رہے گی۔"

"تمہیں---- تم اسے پسند کرتے ہو؟" بڑے سرکار نے دانت پیسے' ان کی آنکھوں میں بھوت ناچنے لگے' پتلیاں چڑھ گئیں' ہونٹ بکس گئے۔ ایک دم منشی جی کی ہنسی ہونٹوں پر جم گئی' وہ گھگیا کر پیچھے ہٹے مگر بپھرے ہوئے شیر کی طرح ایک

جست میں بڑے سرکار نے ان کا ٹینٹوا پکڑ لیا۔

"حضور خطا ہوئی' سرکار!" تڑپ کا منشی جی ان کی گرفت سے نکل گئے اور وہیں پیروں پر سر ٹکا کر گڑگڑانے لگے۔ ایک دم سہم کر بڑے سرکار پیچھے ہٹ گئے۔

"سمجھا' سمجھا سرکار---- مجھے کیا معلوم تھا۔" منشی جی نے دھوتی سمیٹ کر کھسکتے ہوئے ہاتھ جوڑے۔

"کیا نہیں معلوم تھا۔" بڑے سرکار پلٹ کر پھنکارے۔

"کچھ نہیں حضور' کچھ بھی تو نہیں۔" "تو کیا سمجھتا ہے پاجی؟"

"کچھ نہیں سرکار' میں تو کچھ نہیں سمجھا۔ بھلا میں کیا سمجھوں گا؟ میں ---- میں---" منشی جی اٹھ کر لشم پشتم بھاگے اور باہر کھڑی ہوئی اوشا رانی سے ٹکرا گئے۔

"ارے تیرا ستیا ناس۔" انہوں نے دھوتی کی لانگ کو گالی دی جو ان کے پیروں میں الجھ رہی تھی۔ "رام رام ہے شری رام' ہتر ڈھیلے کر دیئے نروئی نے۔"

"منشی جی کی صرف انہوں نے ٹھکائی دیکھی' ایک دم جی خوش ہو گیا اور ہنس کر بولیں۔

"ارے منشی جی تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے' تمہاری موت آئی ہے کہ بڑے سرکار کے منہ آنے لگے؟"

"ایسی کم تمیں منہ آنے کی۔ رام رام' حد ہو گئی! کیا غضب ہے۔ بھگوان---- اب تو سادھو سنت کا بھی کوئی بھروسا نہیں' رام قسم کوئی بھروسا نہیں۔"

"ارے تو بات کیا ہوئی؟ بڑے سرکار نے آج تک کسی کو انگلی تک نہ چھوائی' کوئی ایسی ہی بات اس تکّے نے کہہ دی ہو گی جو یوں دھیرج کھو بیٹھے۔"

"بات کیا ہوتی تمہارا سر۔" منشی جل گئے۔

"اچھا بس بوریا بستر باندھو اور چلتے پھرتے نظر آؤ۔"

"ارے مر گئے بستر بوریا بندھوانے والے۔ میں کہوں اب تم اپنی خیر مناؤ۔ پٹ رانی بننے کے سارے سپنے بھول جاؤ۔ رانی وانی تو کیا گھر میں سر چھپانے کو جگہ بھی مل جائے تو بہت سمجھنا۔"

"جانے کیا بک رہے ہو پاگلوں کی طرح۔"

"بک نہیں رہا ہوں رانی' میری مانو تو اب خیر مناؤ- ارے وہ ٹھیرے مائی باپ جو کریں سو تھوڑا' مگر سچ کہتا ہوں بس کا کانٹا ہے لونڈیا-"

"کون لونڈیا؟"

"ارے بابا مجھ سے مت پوچھو' آنکھیں ہیں تو خود دیکھ لو ہے بھگوان' آثار اچھے نہیں- سارا کنبہ انٹ سنٹ ہو جائے گا' بڑے زوروں کی مہابھارت ٹھنے گی' بھائی بھائی کو کھا جائے گا-"

"اوہنہ' سڑی ہو تم تو-" اوشا رانی جل کر اندر چلی گئی-

بڑے سرکار پسینے میں شرابور میز پر سر دھرے بے دم بیٹھے تھے گھٹی گھٹی سسکیوں سے ان کا سارا جسم لرز رہا تھا- یوں ایک باوقار مرد کو ٹوٹے ہوئے کھلونے کی طرح بکھرا دیکھ کر اوشا رانی دہل گئیں' نہ جانے کب کی سوئی ہوئی ممتا جاگ پڑی' جی چاہا ان کا غم سے بھاری سر اٹھا کر اپنی چھاتی سے لگائے' مگر شرم نے روک دیا-

اس کی آہٹ سن کر بڑے سرکار نے سر اٹھایا- ان کی آنکھوں میں دکھ اور ناچاری کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا' ہونٹ پٹے ہوئے بسورتے بچے کی طرح لرزنے لگے' دھتکارے ہوئے بھکاری کی طرح انہوں نے اوشا کو دیکھا اور تڑپ کر رہ گئے' ان کا جی چاہا اوشا کے پیروں پر سر پٹخ دیں اور کہیں:

"اوشا رانی مجھے بچاؤ- اس بھیانک غار کے اژدھوں سے مجھے بچا لو- ایک بار درد سے پھٹی ہوئی پیشانی پر اپنے پوتر ہونٹ رکھ دو سارے گناہ دھل جائیں گے-"

مگر بڑے سرکار نے اپنے زخم چھپانا سیکھا تھا! جہاں وہ پہنچ چکے تھے وہاں نہ کوئی ہمدم تھا نہ ہمراز' بس وہ تھے اور اکیلا پن ایک دم انہیں اپنی پوزیشن کا خیال آگیا' غرور سے گردن اکڑ گئی' بڑی بڑی گمبھیرتا سے بولے: "کیا ہے؟"

"منشی جی کے لئے کیا حکم ہے؟"

"منشی جی؟ منشی جی کو گرم کپڑوں کے لئے دو سو روپے دے دو-"

"مگر---" اوشا رانی دھک سے رہ گئیں-

"گوپال سے کہو چائے ٹیرس پر لے آئے"- انہوں نے نہایت بے رخی سے کہا-

"یہ---- یہ---- منشی جی----"

"کیا کہنا چاہتی ہو منشی جی کے بارے میں؟"

"جی وہ----"

"کیا تمہیں میرے رویے سے دکھ ہوا-" وہ بڑی رکھائی سے بولے- "اگر ایسا ہے تو مجھے بڑا افسوس ہے- میرا خیال تھا کہ تم انہیں پسند نہیں کرتیں-"

"جی ہاں-"

"مگر معلوم ہوتا ہے میں غلطی پر تھا-" بڑے سرکار نے ایکٹنگ شروع کر دی-

"میں---- میں سمجھی نہیں-"

وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے' تمہیں منظور ہے تو-"

"نہیں اوشا رانی نے آنسو روک کر کہا-

"لیکن اگر تم چاہو تو----" انہیں اوشا رانی کو دکھ دے کر بڑا مزا آتا تھا' جیسے خود ان کے دکھوں کا مداوا ہو جاتا ہے-

"ہرگز نہیں-" اوشا رانی رو پڑیں-

"اوہ' یہی سمجھ کر میں نے انہیں ڈانٹ دیا' مگر کچھ زیادہ غصہ آگیا-"

"آپ نے بہت اچھا کیا-" اوشا جوش سے بے قابو ہو کر بولی-

"نہیں ہم نے بالکل بہت اچھا نہیں کیا' تمہاری شادی میں اڑچن ڈالنے کا ہمیں کوئی ادھیکار نہیں-" ہرا پھرا کر بڑے سرکار اوشا کو مغالطے میں ڈالتے رہے- اوشا رانی کانٹا لگی ہوئی مچھلی کی طرح تڑپتی رہیں بالکل فٹ بال کی طرح وہ اس کے جذبات سے کھیلتے رہے- یوں کسی کو تڑپا کر وہ شاید اپنے تڑپنے کا انتقام لینا چاہتے تھے-

"روپے کیش دے دو اور یہ کاغذات بھی لیتی جاؤ- کہہ دو- جو مناسب ہے کریں' میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں- ذرا سی بات پر غصہ آ جاتا ہے- جب جی بھر گیا تو انہوں نے بڑی لاپرواہی سے اوشا کو ٹال دیا-

"ہے بھگوان! میرے پران ناتھ کتنے مہان ہیں- ہائے کوئی نوکر کو مار کر بھی یوں پچھتاتا ہو گا اور وہ منشی جیسا سور نوکر جس کے منہ میں لگام ہی نہیں-"

اندر جب اوشا رانی منشی جی کے بارے میں بڑے سرکار سے حکم لانے گئی تھیں تو منشی جی ٹلے نہیں تھے' دروازے پر کان لگائے کھڑے تھے- بڑے سرکار کا فیصلہ سن کر انہوں نے فضا کو ایک موٹی سی گالی دی اور آپ ہی آپ مست ہو کر ناچ اٹھے- اوشا باہر آئیں تو انہوں نے بڑی سنگین صورت بنا کر کہا:

"رانی جی ہماری سزا؟"

اوشا نے ایک قہر آلود نگاہ ان پر ڈالی اور بھنا کر چل دیں۔

منشی جی ہر دم اوشا کی جوانی میں گھن لگنے کا ماتم کیا کرتے تھے۔ خود بھی کنوارے تھے اور زندگی کے سونے پن کا مزہ جانتے تھے۔ بڑے سرکار کے ہم سن تھے۔ آگے ناتھ نہ پیچھے پگا۔ کبھی کسی نے شادی میں دلچسپی ہی نہ لی۔ ساری عمر کی کمائی کوڑی کوڑی جمع تھی۔ اوشا رانی کو دور ہی دور سے تاڑ لیا کرتے تھے مگر ایک دن بڑے سرکار کی باتیں سن کر ہمت بڑھ گئی۔

ماسی حسب معمول ان کی آرتی اتارنے کے بعد تھالی نوکرانی کو سنبھلا کر وہیں بیٹھ گئیں اور بولیں:

"بیٹا اوشا رانی کی عمر نکلی جا رہی ہے' میرے لال اس کی لگن کا کچھ سرہندھ کرو۔"

"ضرور ضرور' دیر نہ کرنا چاہیے۔ آپ کا اپنا گھر ہے' جیسے من چاہے کیجئے۔ لڑکا کیسا ہے؟ کتنا جہیز مانگتے ہیں؟ پیسے کا منہ نہ دیکھئے گا' برا اچھا ہونا چاہئے۔"

"مگر۔۔۔۔ مگر بیٹا۔۔۔۔ تمہاری ماں کو بڑا ارمان تھا کہ وہ گھر ہی میں رہے۔"

چاچی نے ٹھگیا کر کہا۔

"تو میں کب کہتا ہوں' گھر میں نہ رہے۔ دھنی اور کے سارے کمرے خالی پڑے ہیں' بڑے شوق سے گھر جوائی ہی رکھیے۔ کیا کرتا ہے لڑکا؟"

چاچی سے برداشت نہ ہو سکا' پھوٹ کر رو پڑیں۔

"بیٹا تم ہی ہو اوشا کے سب کچھ' میں تو تمہاری آس لگائے بیٹھی ہوں۔"

"اوہف' چاچی مجھ سے بڑی بھول ہوئی اور دیکھئے نا میں تو اس قدر نکما واقع ہوا ہوں نہ کسی سے ملنا نہ جلنا۔ اوشا رانی کے لئے بر ڈھونڈنا معمولی بات نہیں' اچھا نیک آدمی ہونا چاہئے۔ اچھا چاچی منشی جی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

بڑے بھیا اس صفائی سے کترا کر نکل گئے کہ چاچی ہکا بکا رہ گئیں

"منشی؟ یہ گھوڑا دو کوڑی کا گنوار! کیا یہی میری بچی کے نصیب کا رہ گیا ہے؟ اس سے تو کنوئیں میں جھونک دوں؟ میری لکشمی سان بیٹی جس کے چرنوں میں جائے گی اس کے بھاگ جاگ اٹھیں گے۔ بیٹا اوشا کو اس گھر سے جو لگاؤ ہے وہ کسی سے چھپا نہیں۔ کیا گھر کو بنایا سنوارا ہے۔ یہی اس کا گھر ہے' اس لئے بیٹا۔"

"جانتا ہوں چاچی۔ اچھا آپ فکر نہ کیجئے بھگوان نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا' ذرا بوائی ختم ہو لے۔ اس سال بارش کے کچھ اچھے تیور نظر نہیں آتے۔

ارے منشی جی؟ انہوں نے بات کو پھر کمبل میں لپیٹنا شروع کیا۔

منشی جی' جو کھڑے کن سوئیاں لے رہے تھے' فوراً چہکے:

"جی سرکار! انہوں نے بالکل دولہاؤں کی طرح شرما کر کہا۔

"ذرا دیکھئے تو وہ نیا ٹریکٹر ٹھیک سے کام نہیں کرتا۔ عالی کمبخت بڑا گاؤدی ہے' اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے' بڑا سست ہے۔"

"سست نہیں' سرکار ڈرتا ہے۔ کہتا ہے دھرتی کی چھاتی اتنا بھار سہارے گی تو پھر کلے کیسے پھوٹیں گے۔"

"کیا بکواس ہے۔ اور بیل میں بوجھ نہیں ہوتا؟ احمق کہیں کا۔۔۔۔ منشی جی۔"

"جی سرکار!"

"تمہاری نظر میں کوئی لڑکا ہے؟"

"جی سرکار' لڑکا؟ اوپر کے کام کے لئے؟" منشی جی چکرا گئے۔

"اماں نہیں' اوپر نیچے کے کام کے لئے نہیں' شادی کے لئے۔ اوشا رانی۔"

چاچی نے پوری بات نہ سنی اور دھم دھم کرتی چل دیں۔ بڑے سرکار کا جی کھل اٹھا' اطمینان کی سانس لے کر مسکراہٹ کو چھوٹ دے دی' مگر منشی جی کو مسکراتا دیکھ کر ایک دم روکھی خرانٹ شکل بنالی: "فرمایئے؟"

"جی۔۔۔۔ جی سرکار!" منشی جی سٹپٹائے۔

"کیا کام ہے؟"

"جی' وہ حضور نے ہی تو بلایا تھا۔"

"اوہ' میں نے بلایا تھا تو اس کے یہ تو معنی نہیں کہ ایک بار آنے کے بعد آپ مستقل میرے سر پر ہی ڈٹے رہیں۔ چہ خوب!"

منشی پٹے کتے کی طرح رینگا۔ بڑے سرکار اسی میں بڑائی سمجھتے تھے۔ ہر کسی کو نیچا دکھانے کے بعد وہ خود کو بہت اونچا سمجھنے لگے تھے۔ دنیا کو پیروں تلے مسل کر ہی انسان بلند ہوتا ہے۔ ان کے دل میں چاچی کی طرف سے کدورت بھر گیا تھا۔ چاندنی سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی' یونہیں انہیں عورت بغیر زندگی بنجر لگنے لگی تھی' سوچا اوشا رانی نہیں تو یہ لونڈیا ہی سہی۔ تھی تو لچھ' گھورے پر دیویوں کے بچے نہیں پڑے ملتے' مگر خیر تھی عورت ذات مگر آج کے واقعے نے تو ان کے شبہات کو پختہ کر دیا۔

"ہائے رام! نہ جانے کیا! ہونے والا ہے۔ اس حویلی میں۔ کیا سورج اور چاند ٹکرائیں گے؟ بڑے زور کا دھماکا ہو گا۔ یہ لڑکی ضرور منیہ کی بھانجی بھتیجی رہی ہو گی جو دشوامتر سمان بڑے سرکار کے، تپ کا سروناش کرنے آئی ہے۔ کہاں وہ دیوتا اور کہاں یہ کنکنی!"

"دہت تیرے دیوتا کی ایسی تیسی۔" انہوں نے ادھر ادھر دیکھ کر منہ ہی منہ میں جانے کیسے کیسے بہت ساری مغلظات سنا ڈالیں۔

چاچی کو' بڑے سرکار کو اور زندگی بھیکی تنہائی کو!

"نہیں نہیں بہو رانی مجھے شرم آتی ہے۔"

"ہٹ پگلی' شرم کاہے۔" بہو نے چاندنی کا پیار سے سر ہلا کر کہا۔

"مگر میرے جنم دن کا کوئی پتہ بھی تو نہیں۔"

"بس جس دن تو ہمیں ملی تھی وہی تیرا جنم دن ہوا۔ یاد بھی نہ ہو گا۔ تجھے اوشا دیدی نے کیسے جھما جھم کپڑے سئے تھے تیرے لئے۔ تب سے کوئی سال ایسا نہیں گزرا جو تیرا جنم دن نہ منایا گیا ہو' پھر اب کیوں نخرے کر رہی ہے؟"

"بس اچھا نہیں لگتا۔ میرے ساتھ کتنا سلوک ہوا ہے' کیا وہ کچھ کم ہے؟"

"چاندنی تو بڑی ذلیل ہے' ہر وقت پالنے کا طعنہ دیا کرتی ہے۔ آخر مجھے بھی تو اسی گھر میں پالا گیا ہے' چندر اور میں تو ہر وقت پالنے کا رونا نہیں روتے۔"

"تم تو اس گھر کی سنتان ہو۔"

"اور اوشا دیدی؟"

"وہ تو اتنے بچپن سے دس جانوں جتنا کام کرتی ہیں' میں نکمی ہوں۔"

"وہ کام کرتی ہیں تو کس پر احسان کرتی ہیں۔ بڑے بھیا سے ان کی شادی ہونے کے بعد وہ بالکل ہی مالکن بن جائیں گی۔"

"ہاں' رام کرے ان کا جلدی سے بڑے سرکار سے بیاہ ہو جائے۔" چاندنی گڑگڑا کر دعا مانگنے لگی۔ "میں تو روز گوری میا کے آگے ماتھا ٹیک کر یہی پرارتھنا کرتی ہوں۔"

"اور اپنے بیاہ کے لئے پرارتھنا نہیں کرتی۔ اچھا ٹھیر جا چھوٹ بھیا سے کہوں گی چاندنی رتی بھر پریم نہیں کرتی۔"

"ارے واہ' کرتی کیوں نہیں۔"

"رام رام' کیسی نرلج ہے' نگوڑی میرے سامنے کیسے منہ پھاڑ کر کہہ رہی ہے کہ میرے بھیا پر مرتی ہے۔"

"چل ہٹ' میں کیوں مرتی؟"

"مگر وہ تو مرتا ہے تیرے پہ----"

"دیکھو ہمو مجھے نہ ستائے جا۔ اپنی کہہ' دن دن بھر بیٹھ کر پرکاش جی کو چٹھیاں لکھی جاتی ہیں تو۔"

"اونہہ' سات سمندر پار والوں کا کیا بھروسہ! وہیں کسی سے دل لگا بیٹھے تو؟" ہمو کی پچھلے سال ایک ڈاکٹر سے منگنی ہو چکی تھی جو انگلینڈ گیا ہوا تھا---- "ہٹا میرے قصے کو' تو نے چھوٹ بھیا کو ہار کے لئے یاد دلایا؟"

"ارے وہ بیچارے کہاں سے لائیں گے؟ رام جانے کتنا منگا ہو گا؟"

"تو کیا ہوا' اس کی گھر والی کے پاس تو رہے گا۔"

"دیکھ مجھے مت ستا۔ میں رو دوں گی ہمہ۔"

"کیوں؟ چندا کی چاندنی کہاں جائے گی اور۔"

"مرجائے گی کمبخت۔ چاندنی منہ اوندھا کر پڑ گئی۔

مگر چندر بوکھلایا پھر رہا تھا۔ ڈھائی سو کے ہار کی فرمائش پوری کرنا کھیل نہ تھا۔ مگر جائیداد میں اس کا بھی تو حصہ تھا۔ بھیا انکار تھوڑی کریں گے! مگر چاندنی کے لئے مانگتے اسے شرم آ رہی تھی۔ اس نے اوشا دیدی سے مانگے' ان کے پاس مشکل سے سو نکلے۔ پچاس ساٹھ خود اس کے پاس پڑے تھے۔ ڈیڑھ سو سے کام نہیں چلے گا'

مجبوراً بھیا کے پاس جانا پڑا۔

"بھیا کچھ پیسے مل جائیں گے؟" اس نے ان کی پیٹھ کے پیچھے کھڑے ہو کر پوچھا۔

"پیسے؟" "جی روپے"

"کتنے روپے۔"

"یہی دو ڈھائی سو۔"

"ایسی کیا ضرورت آن پڑی۔"

"وہ میں نے ٹینس کا ریکٹ منگوایا ہے' بلّی چھڑانا ہے----- اور"

بڑے سرکار چندر کے جھوٹ پر تلملا گئے۔ انہوں نے اپنے کانوں سے ہار کے بارے میں کھسر پسر سنی تھی۔ ہمو کہہ رہی تھی۔ اگر اس نے ہار لا کر نہ دیا تو چاندنی اس سے عمر بھر بات نہ کرے گی۔ خیر عمر بھر کی بات تو دور رہی اگر چند دن کو بھی یہ ہنسی اور قہقہے' یہ کونے کھتروں کی چوما چاٹی میں اڑچن پڑ جائے تو برا نہیں۔

میرے پاس تو دس بارہ روپے ہیں' اب بینک بھی بند ہو گیا۔" انہوں نے رکھائی سے جواب دیا۔

چندر پسینہ پونچھتا بھاگا۔

اس کے جانے کے بعد وہ بڑے اطمینان سے اٹھے۔ لگان کے روپیوں کی گڈیاں سیف میں اٹا اٹ بھری تھیں۔ موٹی سی نوٹوں کی گڈی جیب میں ڈالی اور دبنیت ہلائے پروقار انداز میں باہر نکلے۔ ڈرائیور سے موٹر نکلوائی اور چل دیئے۔

چندر سر پکڑ کر سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ کیا کرے؟ ہمو تو کوڑی نہ دے گی' بہت دنگا کرے گی۔ پھر چاندنی کو پتہ چل جائے گا کہ وہ چندہ کر کے ہار لا رہا ہے تو روٹھ جائے گی۔ ویسے وہ تو خود منع ہی کرتی رہی' ہمو نے ہی زور ڈالا کہ چاندنی کے پاس کوئی سچا زیور ہی نہیں' ہمو یا اوشا دیدی زبردستی تیج تہوار پر پہنا دیتی ہیں تو ان کا زیور پہن لیتی ہے۔ اسے ہمو نے چڑا کہ وہ بھی مردانگی دکھانے پر تل گیا' اب اگر ہار نہ آیا تو بڑی بھد ہو گی۔

ہمو بن سنور کر ڈانس ماسٹر کے ہاں جا رہی تھی' چندر نے اسے سیڑھیوں پر پکڑ لیا:

"ارے ہمو جی آج تو کمال کر دیا۔"

"کس نے؟"

"جادوگر نے۔"

"جادوگر؟"

"ہاں جی' کالج میں آیا تھا میں نے اس سے سیکھ لیا"

"اچھا؟" ہمو چلنے لگی۔

"جادو دیکھے گی؟"

"نہیں بابا"

"کیوں گدھی؟" چندر بگڑنے لگا۔

"ارے بھئی ہمارا تانگہ کھڑا ہے' دیر ہو جائے گی۔"

"بس دو منٹ میں۔" ہمو کو اس نے گھسیٹ کر سیڑھی پر بٹھا لیا۔

"چل نوٹ نکال۔"

"ہائے نہیں۔"

"ارے نکال تو ایک کے دو بنا دوں گا۔"

ہمو نے بڑی مشکل سے ایک روپیہ والا نوٹ نکالا۔

"چل' چل کالی کلکتے والی' تیرا وار نہ جائے خالی' انٹ سنٹ بکلی بسنت۔۔۔۔ لے پھونک مار۔" ہمو نے پھونک بڑے تکلف سے ماری چندر نے مٹھی کھولی تو ایک کی جگہ دس کا نوٹ تھا۔ ہمو کی چیخیں نکل گئیں۔

"ہئی ہے چندرو بھیا!"

"لا جلدی جلدی بنوا لے۔"

"بس بھئی اب نہیں بنواتے۔" ہمو نے اطمینان سے نوٹ بٹوے میں رکھ لیا اور چلی۔

"ارے رے' بھاگتی کہاں ہے؟" چندرو نے اسے پھر گھسیٹ کر بٹھا لیا۔ "پھر پستائے گی قسم سے' چل جھٹ پٹ نکال۔" چندر نے چٹکی بجائی۔

ہمو نے دس کا نوٹ نکالا۔

"اونہہ کیا مر مر کر نکال رہی ہے۔ اب کون بیٹھ کے دس دس کے نوٹوں پر منتر پڑھتا پھرے۔ سو کا نکال ہزار بنا دوں گا۔"

"ہاں؟"

"ہاں؟"

"ہزار!"

"اور کیا' جو ہزار کا ہو تو دس ہزار۔"

"ہزار کا تو نہیں۔"

"اچھا لا سو کا نکال۔" نوٹ لے کر چندر نے زور زور سے منتر پڑھنے شروع کیے: "کالی کلکتے والی' چل چال' لے پھونک مار' ٹھیک سے ماریو کیا پھوپھو کر رہی ہے۔ دیکھ بھئی الٹی سیدھی پھونک مار دی تو ایک دم معاملہ بگڑ جائے گا۔

"پھوں۔۔۔۔" ہمو نے سارے کلیجے کا زور لگا کر پھونک ماری' چندر نے مٹھی کھولی تو پرانے اخبار کا ٹکڑا نکلا۔

"دیکھا!"

"ہائے رام' میرا سو روپے کا نوٹ۔"

"تو میں کیا کروں؟ گدھیا سے کہہ رہا ہوں ٹھیک سے پھونک مار' بھئی ٹھیک سے پھونک مار مگر۔۔۔۔" چندر غرایا۔

"میں نہیں جانتی' میرا نوٹ لاؤ۔"

"آ ہاہا' خود ہی تو الٹی سیدھی پھونک مار دی' اب جادو الٹا پڑ گیا تو میں کیا

کروں؟ مجھے دیر ہو رہی ہے' چل ہٹ۔" وہ اسے دور جھٹک کر چلنے لگا۔

"ہائے میا میں مر گئی۔ ڈانس ماسٹر کی فیس کاں سے دوں گی؟ لاؤ چور کہیں کے میرا نوٹ' لو یہ اپنا دس کا نوٹ۔"

"ارے تیرے سامنے جادو کیا اور اب ایسی باتیں کر رہی ہے۔ ارے بھئی یہ تو جادو ہے' کبھی سیدھا پڑ گیا تو کبھی الٹا۔" اس نے بڑی بھولی صورت بنا کر کہا۔ وہ دس کا نوٹ بھی لے لیا۔ گھبرا نہیں ہمی' میں ذرا کام سے جا رہا ہوں' ابھی واپس آ کر تیرے سارے روپے دس گنا بنا دوں گا۔"

"ارے جا سور' اب تیری چالوں میں کون آتا ہے' ہمو چندر کی چالیں خوب سمجھتی تھی۔ مگر وہ سیدھی طرح مانگتا تو کبھی نہ دیتی۔

حویلی برقی قمقموں سے جگمگا رہی تھی۔ سب جانتے تھے چاندنی کی سالگرہ کا تو بہانہ ہے' ان حویلی والوں کو اور کچھ نہیں تو کتے کتیا کی سالگرہ منانے کی سوجھ جاتی ہے۔ زندگی کی نا اہلیت اور اکتاہٹ پل بھر کو کم ہو جاتی ہے' کچھ ہنگامہ ہو جاتا ہے' اوشا دیدی کو اپنا سگھڑپا دکھانے کا چانس ہی مل جاتا ہے جو ماضی کے حسابوں بڑے سرکار پر رعب ڈالنے کے لیے اچھا طریقہ ہے۔

چاندنی بے قرار چندر کے انتظار میں کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ کھڑکی سے اس نے اس کی سائیکل کو پھاٹک کی طرف مڑتے دیکھا تو دیوانوں کی طرح گرتی پڑتی بھاگی۔

"چندر و جی' میری مالا!" وہ اس کا اداس لٹکا ہوا منہ دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے سہم کر پوچھا۔

"بک گیا ہار تو۔"

"ہار بک گیا۔"

"ہاں کوئی گھنٹہ بھر پہلے' مگر اس سنار نے وعدہ کیا ہے۔ بالکل ایسا کا ویسا ہار پندرہ دن میں۔"

"ہنہ' پندرہ دن میں۔" وہ روہانسی ہو کر جانے لگی۔

"سن تو چنو۔"

"نہیں سنتی۔" وہ پنکھاڑی" اتنے دن سے کہہ رہی تھی کہ بک جائے گا مگر کہیں گے۔"

دوسرا بن جائے گا---- تو----"

"مجھے نہیں چاہئے دوسرا تیسرا چوتھا پانچواں۔ تم لائے تو قسم سے پتھر سے کچل کر پھینک دوں گی۔"

"چندرا رانی۔"

"خبردار جو مجھے چندرا رانی کہا۔ میں رانی نہیں گھورے پر پھینکی ہوئی اناتھ

چھوکری ہوں۔ رانی ہوتی تو مجال تھی جو تم میرے لیے ہار نہ لاتے۔ وہ' جس کے لیے کوئی ہار لے گیا ہے' وہی رانی ہے۔" اس کے گالوں پر لمبے لمبے آنسو بہنے لگے۔

بڑے سرکار نے یہ حسین ڈراما دیکھا اور کھل اٹھے۔ کسی نے ان کی چھچھوری مسکراہٹ نہ دیکھی۔ گھنٹے بھر سے وہ ہار کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔

ہر سال وہ منشی جی کے ذریعے ہر کسی کی سالگرہ پر روپے دلوایا کرتے تھے۔ وہ چاندنی کو ہار کیسے دیں؟ گھنٹوں ٹہل ٹہل کر وہ منصوبے باندھتے رہے۔ کیا کہیں گے؟ کیسے کہیں گے؟ سب کے سامنے دیں۔ یا اکیلے میں؟ بس وہ تو ایک بار اس کے چہرے پر وہ مسکراہٹ دیکھنا چاہتے تھے جو ہار کو پا کر اس کے ہونٹوں پر مچلنے لگے گی۔

چندر جو انہیں پتا سمان سمجھتا تھا جسے وہ جان سے زیادہ چاہتے تھے' اسے زکام ہو جاتا تو بے چین ہو اٹھتے------ انہیں اس سے کتنا لگاؤ تھا! اور کتنی نفرت تھی! وہ سوتے جاگتے اس کی موت کا خواب دیکھا کرتے! چندر گھوڑے پر سے گر پڑا ہے' اس کا بھیجا پاش پاش ہو گیا ہے' انہوں نے غم سے نڈھال چاندنی کو اپنے پیا سے ہونٹوں سے لگا لیا ہے اور---- اور پھر آنکھ کھل جاتی! حلق خشک' پسینے میں شرابور وہ تھک کر ہانپنے لگتے۔ کتنی بار انہوں نے تخیل میں چندر کو قتل کر دیا؟ اس کی خون میں ڈوبی لاش کو روندتے ہوئے وہ حجلہ عروسی میں داخل ہو گئے اور---- اور پھر آنکھ کھل جاتی' ان کا دل خون میں ڈوب جاتا' وہ بے قرار ہو کر ہچکیوں سے رونے لگتے۔ چندر---- ان کا ننھا منا بھائی!

"میرے لال چندر اور ہو کے تم ہی پتا ہو اور تم ہی ماتا۔ انہیں دکھ نہ دینا' نہیں تو میری آتما جنم جنم تک بھٹکتی پھرے گی۔" ماں نے مرتے سمے کہا تھا اور اس دن سے انہوں نے اپنا بچپن تیاگ کر بڑھاپے اور ذمہ داری کا کانٹوں بھرا چولا پہن لیا تھا۔ مگر قدرت ان کا کھیل مٹانے پر تل چکی تھی' ایک انجانی طاقت انہیں کٹھ پتلی کی طرح نچا رہی تھی' ساری عمر کی نیکی اور پارسائی ایک ہی وار میں بھسم ہو جا رہی تھی۔

راتوں کو وہ ڈراؤنے خواب دیکھ کر چونک پڑتے۔ روشنی جلا کر اپنے ہاتھوں اور کپڑوں پر خون کے نشان ڈھونڈتے۔ پھر بھی جی ٹھنڈا نہ ہوتا تو چندر کے کمرے میں جا کر اسے دیکھتے۔ کہیں زخم تو نہیں' سانس تو چل رہی ہے۔ اسے زندہ اور صحیح سلامت پا کر بے اختیار ان کی ممتا جاگ اٹھتی۔ اچھی طرح کمبل اڑھاتے' مچھردانی

چاروں طرف دبا دیتے کبھی چندر کی آنکھ کھل جاتی تو وہ ان کی ہنسی اڑاتا۔ "واہ بھیا' کوئی میں بچہ ہوں۔"

"ترائی میں ملیریا پھیل رہا ہے' تم احتیاط نہیں کرتے۔"

جب دونوں بھائی پاس پاس بیٹھ جاتے' چھوٹے چھوٹے پیار کے جملے کہتے' ماں باپ کی محبت کو یاد کرتے اس وقت چاندنی ان کے درمیان سے دور ہوتی اور وہ چندر کے شاندار مستقبل کے پلان بناتے' بہو کی شادی کے اخراجات کا حساب لگاتے' بڑی فیاضی سے اسے روپے دیتے' جیسے اپنے لگائے زخموں پر مرہم لگا رہے ہوں' حالانکہ وہ سارے زخم کچھ ان کے دل پر کم گہرے نہ تھے۔

مگر اس وقت چندر کی ہار اور اپنی جیت کا دلچسپ ڈراما دیکھنے کے لیے وہ ایک کمسن بچے کی طرح بے قرار تھے۔

مگر جب وہ ہار لے کر نیچے ہال میں پہنچے تو منظر ہی کچھ اور تھا۔ گھڑی بھر پہلے کی بپھری ہوئی چاندنی چندر کی بانہوں میں پگھل رہی تھی۔

"چاند راجہ' میرے گلے کا ہار تو تیری بانہیں ہیں۔ تمو ہے ہار پہ میں بھی کتنی بدھو ہوں۔ واہ چندن راجہ ایک دن مجھے ہیروں جڑی مالا پہنائے گا' کیوں؟ ہے نا؟"

"مگر میں نے آج تک تجھے کچھ بھی تو نہیں دیا۔" چندر شرم سے گردن جھکائے تھا۔

"تو نے مجھے جیون کا سہارا دیا پگلے۔ تو نے مجھے وہ دیا جو بھگوان نے چھین لیا تھا۔ یہ گھر' سکھ چین' بہو جیسی گوئیاں---- اور کیا چاہتے مجھے؟ اور تو جب ایسے دیکھتا ہے مجھے تو میرے من میں موتیوں کی پھوار ہونے لگتی ہے۔ میری طرف مت دیکھ چندر۔" اس نے چندر کی آنکھوں پر ہتھیلی رکھ دی۔

ایک الاؤ بڑے سرکار کے وجود پر دہک اٹھا' جنگلی بھینسے کی طرح ان کے سانس کی دھونکنی چلنے لگی' آنکھوں میں زہر میں بجھی سلائیں کنپٹیوں کو چیرتی چلی گئیں' ہار سانپ کی طرح انگلیوں کو ڈسنے لگا۔ اس سے قبل کہ وہ وحشی درندے کی طرح اپنے رقیب پو ٹوٹ پڑتے کسی کے پیروں کی چاپ سن کر وہ جاگ پڑے۔

اوشا رانی سولہ سنگھار کیے زینے پر سے اتر رہی تھیں۔

"اوشا!" انہوں نے اپنے حلق کی ساری تلخی کو پی کر نہایت میٹھے سروں میں پکارا۔

"آہ! اپنا نام ان کے ہونٹوں سے سن کر جیسے اوشا کی چھاتی پر دھائیں سے گولی

لگی' وہ کلیجہ تھام کر بولیں۔ "جی۔"

"ذرا ادھر آیئے۔" وہ اس کی تڑپن سے لطف اٹھاتے ہوئے شرافت سے بولے۔

اوشا کی جان کھینچنے لگی۔ نئی دلہن کی طرح ہولے ہولے قدم اٹھاتی وہ ان کے پاس پہنچیں۔ ہے بھگوان' آج انہوں نے پکارا!

"دیکھئے تا ہم آپ کے لیے کیا لائے ہیں؟"

"میرے لیے!"

"جی' حقیر سا تحفہ ہے۔" انہوں نے ہار اس کی آنکھوں کے سامنے نچایا۔

"میرے جیون کا سب سے سندر سنگھار ہے۔" انہوں نے دبی زبان سے کہا اور دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔

"اونہہ' ہم خود پہنائیں گے۔"

"ارے یہ ہار آپ لے آئے؟" چندر نے چاندی کے منع کرنے سے پہلے کہہ ڈالا۔

"ہاں' کیوں؟ کیا پسند نہیں۔"

"جی نہیں' میرا مطلب ہے' جی ہاں۔" چندر نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

اتنے میں ماسی آ گئیں اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"جیو مرے لال۔ جگ جگ جیو۔ میری عمر بھی تمہیں کو لگ جائے۔" انہوں نے بڑے سرکار کی بلائیں لے کر کہا اور اوشا کو گلے لگا کر ایسے پھوٹ کر روئیں جیسے ڈولا تیار ہو چکا ہے اور وہ اپنی سسرال جا رہی ہو۔

غصے اور نفرت کا ایک بے پناہ طوفان بڑے سرکار کے دماغ میں گونجنے گرجنے لگا مگر وہ ضبط کر گئے۔

"ہاں' اوشا جی' منشی سے کہنا چاندی کو جنم دن کے کتنے روپے دیئے تھے گئے سال' بس اتنے دے دیں۔" بڑے خشک لہجے میں انہوں نے حکم دیا اور لائبریری میں چلے گئے۔

"ہمیں نہیں چاہیئں روپے۔" چاندنی پھنکاری۔ تھوڑی دیر کے لیے دونوں مرجھا سے گئے' پھر سب کچھ بھول بھال کر سال گرہ کے اودھم میں لگ گئے۔ لان پر نوجوان لڑکے لڑکیاں اودھم جوت رہے تھے۔ فضا قہقہوں کی جھنکار سے گونج رہی تھی۔ اوشا رانی کی آنکھوں میں آج نرالی ہی جوت جگمگا رہی تھی۔ وہ بار بار گلے

میں ہار کو چھوتیں اور پھر خود ہی شرمانے لگتیں۔

ماسی کی عجیب حالت تھی۔ ایک طرف تو وہ چاندنی کے ٹھاٹ دیکھ کر سلگ رہی تھیں' دوسری طرف خوش تھیں کہ چندر بالکل ہی چھوکری پر اتارو ہو چکا ہے۔ شادی کر لے تو بڑے سرکار پھٹ اسے جائیداد سے محروم کر دیں گے۔ مالک تو وہی ہیں' انہیں کے نام ساری پونجی جو تھی۔

بڑے سرکار اس ہنگامے میں بھی اکیلے تھے۔ ان کے دماغ پر گھن برس رہے تھے۔ مایوسی اور نامرادی کے بادل امڈ امڈ کر ان کا دم گھونٹے دے رہے تھے۔ دل کی ویرانی بڑھتی جا رہی تھی۔ احمقوں کی طرح وہ چندر اور چاندنی پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ ان کی ہر شوخی پر ایک تازیانہ سا ان کے احساسات پر پڑتا اور وہ تڑپ کر رہ جاتے۔

ایک دم ان کی نظر گھاس پر پڑے ہوئے ہار پر پڑی جو اوشا کے گلے سے کھل کر سرک گیا تھا۔ جھک کر انہوں نے ہار اٹھایا اور اوشا کو دینے لگے۔ ایک دم نہ جانے کیا سوچ کر ٹھٹک گئے' گلا صاف کرنے کے بہانے وہ اٹھے' چاندنی کا بٹوہ میز پر پڑا تھا۔ اسے کھول کر ہار ڈال دیا۔

چاندنی مولسری کے پیڑ تلے سوکھے پتوں کے ڈھیر پہ بے سدھ پڑی تھی۔ جب کبھی اس کے دل کو کوئی بڑا بھاری دکھ چوٹ لگاتا تو وہ یہیں پتوں کے ڈھیر پر جا بیٹھتی۔ یہی پتے تو اس کا ماتکا تھے۔ چندر نے اسے یہیں پڑا پایا تھا۔ یہیں پڑی پڑی وہ پتوں کی طرح سوکھ جائے گی' پھر مالی ارہر کے جھاڑ کی جھاڑو سے اسے سمیٹ کر باغ کے کوڑے کے ساتھ جلا دے گا' پھر اس کی راکھ فضا میں آہیں بھرتی جنم جنم تک اڑتی رہے گی۔

مگر پہلے جب کبھی وہ روٹھتی تھی تو چندر بے قرار ہو کر اسے منا لیتا تھا۔ اب کے اس نے چاندنی کو کوڑے کے ڈھیر پہ پڑا دیکھا تو حیران بن گیا' جانو وہ وہاں ہے ہی نہیں' وہ اتنی سنجیدگی سے کبھی نہیں روٹھا تھا۔

جب اوشا دیدی کا ہار اس کے بٹوے سے سارے مہمانوں کی موجودگی میں نکلا تو چندر مارے شرم کے زمین میں گڑ گیا۔ اس نے چاندنی کو اتنے زور سے سب کے سامنے طمانچہ مارا کہ اب تک گال سوج رہا تھا۔ اسے اپنی صفائی میں کچھ کہنے بھی نہ دیا۔

"کسی چور ڈاکو کی اولاد ہو گی موئی۔" ماسی نے مہمانوں سے تلاشی لینے پر معافی مانگتے ہوئے کہا تھا۔

"جانے دیجئے ماسی۔" بڑے سرکار انہیں روکتے رہے مگر وہ بھلا رکنے والی تھیں؟ خوب، جلی کٹی سناتی رہیں۔

"اوہو' جانے دیجئے۔ انسان سے بھول ہو ہی جاتی ہے۔ اوشا رانی اب یہ ہار نہ پہنیے۔" بڑے سرکار بولے۔

"کیوں؟" اوشا کانپ اٹھیں۔

"جسے پسند ہے اسی کو دے دیجئے' ہم آپ کو دوسرا لا دیں گے۔"

"کیوں دے دے۔ بڑی آئی پسند کرنے والی۔ اسے صدقے کروں مری کو۔ ہمارے ٹکڑوں پر پلی اور ہم سے بیر باندھتی ہے۔"

"ماسی جی چاہو۔ جیسی قسم لے لو میں نے ہار کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔" چاندنی شرم سے لرز کر رونے لگی۔

"اری چل نگوڑی' تیرا مرا جیتا ہے کون جس کی قسم کھائے گی؟ کوئی ہوتا تو یوں کوڑے پر پھینک جاتا؟ اری میری بیٹی سے تو نے کس بات کا بیر نکالا؟ اری میری بیٹی نے اس کتیا کے سگی بہن سے زیادہ دلار کیے' جنم دن کا سارا انتظام کیا' ہاتھ سے موتی کو ہیشہ سی پرو کر سجایا اور اس نے یہ بدلا دیا۔"

"چاندنی!" بہو سسکیوں سے رو پڑی تھی' "تجھے یہ ہار اتنا پیارا تھا کہ چوری سے بھی ڈر نہ لگا۔ چھوٹ بھیا!" دوڑ کر چندر سے لپٹ گئی۔

چندر نے آنسو بھری آنکھوں سے چاندنی کی طرف دیکھا' وہ کٹ کر رہ گئی۔

"چندر تمہیں میرے اوپر وشواش نہیں۔"

اور چندر نے بھرپور طمانچہ اس کے منہ پر جڑ کر اسے اپنے سے دور دھکیل دیا۔

"بھئی تم لوگ خواہ مخواہ اتنی سی بات کا بتنگڑ بنا رہے ہو۔ ہار پسند تھا لے لیا تو ایسا کون سا غضب ہو گیا؟ چندر تم زیادتی کر رہے ہو۔" بڑے سرکار نے اور آگ پر تیل چھڑکا' جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ چاندنی پر اور گالیاں پڑیں۔

"بھئی کسی کو ہار اتنا پسند ہو کہ وہ چوری تک کر بیٹھے' ایسا ہار میں اوشا رانی کو دینا نہیں چاہتا' دے دو اسی کو اوشا۔"

"اوہ' میری جان بھی چلی جائے تب بھی میں یہ ہار کسی کو نہیں دوں گی۔" اوشا نے گھٹے ہوئے گلے سے کہا' جیسے ہار نہیں کوئی ان سے ان کا سہاگ مانگ رہا تھا۔

"واہاں جی کا ہے کو دیوے ہار۔ کل کو یہ کسی کی جان مانگیں گی' تو کماری جی کے لیے جان بھی دے دے گا۔" ماسی غرائی۔ پارٹی درہم برہم ہو گئی۔ لوگ کھسیانے سے جلدی جلدی رخصت ہو گئے۔ گھر میں ایسا معلوم پڑتا تھا۔ جیسے م ہو گئی ہو۔ چندر کے لاڈلے دل کو کبھی اس سے زیادہ بھاری صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ چاندنی کے لیے تو جینے کا بہانہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ چاند پر گھنگور گھٹائیں چھا جائیں تو پھر چاندنی کیوں نہ سسک کر دم توڑ دے!

"کیا چاندنی چور ہے؟ تو پھر میرے زیور میز پر پڑے رہتے ہیں کیوں نہیں چراتی؟" بہو نے بحث کی۔

"مجھے ذلیل کرنے کے لیے اس نے چوری کی۔" چندر نے تھوک نگل کر کہا۔

"جل ککڑی بہت ہے' کسی کی خوشی نہیں دیکھ سکتی' میرا دل دکھانا چاہتی تھی۔" اوشا بسوریں۔

"نہیں جی تم اس کمینی کو نہیں جانتیں۔ اصل میں بڑے سرکار سے جلتی ہے۔ اس کا بس چلے تو ساری جائیداد چندر کے نام کروا دے۔ وہ اس کے تلوے چاٹتا ہے نا۔" ماسی نے اور زہر اگلا۔

بس ایک بڑے سرکار تھے جنہوں نے ایک لفظ چاندنی کے خلاف منہ سے نہ نکالا۔ وہ مہاپرش جو تھے! کتنی دیا تھی۔ ان کے دل میں! وہ برابر یہی کہہ رہے تھے!

"اتنی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا' یہ زیادتی ہے چندر کی۔"

وہ دیوتا تھے۔ شما کرنا ہی تو بڑپن کی نشانی ہے۔ وہ جنہیں چاندنی اپنا سمجھتی تھی کتنے کچے نکلے اور جنہیں جانی دشمن سمجھتی تھی وہ دیوتا سمان اس کی پچ کر رہے تھے۔ ایک دم اس کے دل سے بڑے سرکار کے خلاف سارا میل دھل گیا۔ اگر وہ ان سے اتنا ڈرتی نہ ہوتی تو جا کر ان کے پاؤں کو پکڑ لیتی۔

"میرے سرکار میں نے آپ کو غلط سمجھا۔ میں پاپن ہوں' مجھے معاف کر دیجیے۔ جو چاہے سزا دیجیے پر چندر سے کہیے مجھے یوں بے موت نہ ستائے۔ میں مر بھی تو نہ سکوں گی اس کے پیار بنا۔"

ہائے جس گھر میں اس کے اتنے لاڈ ہوتے تھے آج لٹ کر اس کی طرف دیکھنا بھی کسی کو پسند نہ تھا۔ یہ بچپن کی شوخی بھرلڑائی نہیں تھی۔ بہو نے کئی بار اس کے پاس آکر بولنے کی کوشش کی مگر ماسی نے وہ شور مچایا کہ ہمت نہ پڑی اس کی۔

"چور نیچ ذات کی سنگت میں تیرا ناس لگ جائے گا۔" انہوں نے چنگھاڑنا شروع کیا اور اس کا پلنگ اٹھوا کر اوشا کے کمرے میں لگانے کی دھمکی دی' مگر اوشا کے کمرے میں بہو کا دم گھٹنے لگا۔ کوئی چیز ادھر سے ادھر ہو جاتی تو غل مچانے لگتیں۔ وہ چاندنی سے دور رہ بھی نہیں سکتی تھی۔

"پر چاندنی سوریا تو نے ہار کیوں چرایا؟ جی چاہتا ہے تیرا بھرتا بنا دوں چڑیل۔" اس سے نہ رہا گیا۔ اس ڈانٹ میں کتنا پیار تھا! چاندنی رو پڑی۔

"بہو رانی تیری قسم میں نے ہار کو ہاتھ بھی چھوایا ہو تو کوڑھ پھوٹ کے مر جاؤں' میرے دیدے پٹم ہو جائیں۔"

"نہ بھئی ایسی باتیں نہ کر۔ مگر یہ چندر کا بچہ بڑا نیچ ہے۔ اتوار کو پکنک کا

پروگرام تھا' سب چوپٹ ہو گیا۔ ہار نہ ہوا بلا ہو گیا کہ سارا گھر سونا پڑا ہے' جی اوب گیا۔"

چاندنی سے ملاپ کر کے وہ سیدھی اوشا کے پاس پہنچی۔

"ہاں؟"

"مجھے شما کر دو رانی دیدی۔"

"کیسی شما؟"

"وہ تمہارا ہار تھا نا؟------ وہ میں نے چرایا تھا۔" ہمو نے آنکھیں مسل دیا۔

"تو نے چرایا تھا؟"

"ہاں۔ پھر----"

"پھر؟"

"پھر بٹوے میں ڈال دیا۔"

"چاندنی کے بٹوے میں؟"

"اور کیا۔ میرا بٹوہ تو کمرے میں تھا۔"

"چل جھوٹی۔"

"ارے سچ' قسم سے پیاری دیدی۔"

"بکواس نہ کر' تو کیوں چراتی ہار؟"

"ارے میں تو مذاق کر رہی تھی' چرایا نہیں۔"

"پھر کیوں جھوٹ بول رہی تھی۔"

"اٹھا لیا تھا۔ گھاس پر پڑا تھا۔ میں نے اٹھا کر بٹوے میں ڈال دیا۔ آپ ادھر میں نہیں اس لیے۔"

"ہائے رام! تو جبھی تو نے بتایا کیوں نہیں۔"

"وہ--- وہ مجھے ڈر لگا کہ کہیں سب مجھے چور نہ سمجھنے لگیں۔ ماسی اتنا غصہ کر رہی تھیں۔ میں ذرا باتھ روم گئی تھی' واپس آئی تو دیکھا چاندنی چور ہے۔" ہمو ہانپنے لگی۔

"چل جھوٹی۔ تو تو اس وقت خود چاندنی کو ڈانٹ رہی تھی۔"

"اس؟ تو پھر کیا کرتی؟ اوشا دیدی بس میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"ہائے رام یہ تو برا ہوا۔" اوشا دکھی ہو گئی۔

"اچھا چڑیل تو نے ہار چرایا اور چاندنی پر ڈانٹ پڑی۔ بتایا کیوں نہیں؟"

"وہ چاندنی مجھ سے جو دنگا کر رہی تھی صبح سے۔"

"تو تو نے اسے پھنسا دیا! چل بھوتنی' چل بڑے بھیا کے پاس۔" چندر نے اس کی چوٹی پکڑ کر گھسیٹا۔ دیکھ تجھے کتنے جوتے کھلواتا ہوں۔" وہ اسے مارتا دھکے دیتا لے چلا۔ ہمو نے خوب ٹھکوریں ماریں' کاٹا اور پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی۔ مگر چندر نے اسے اٹھا لیا اور بورے کی طرح لے جا کر بھیا جی کے سامنے پٹخ دیا۔

"یہ دیکھیے بھیا اس چڑیل کے کرتوت۔"

"چندر ہوش میں ہو کہ نہیں۔"

"میں اپنے ہوش میں کیسے رہ سکتا ہوں؟ ہار اس نے چرایا اور الزام بے چاری چاندنی کے سر تھپ گیا۔"

"پر میلا یہ سب کیا ہے؟"

"بڑ بھیا میں نے وہ ہار تھانا--- چرا کر۔"

"تم بدھو ہو چھوٹ بھیا' تم بیچ میں مت بولو۔ بڑ بھیا میں نے ہار چاندنی کے بٹوے میں ڈال دیا۔"

"جھوٹی۔" بڑے بھیا زور سے گرجے' ہمو کے آنسو چھلک پڑے۔"

"مگر بڑ بھیا یہ تو خود کہہ رہی ہے۔"

"یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" بڑے سرکار کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

"نہیں بھیا یہ خود کہہ رہی ہے۔ آپ ہی سوچیے اور کون پاجی ہو سکتا ہے اس کے سوا؟"

"ہاں---- مگر------" بڑے بھیا کی آنکھیں جھک گیں۔"

"معاف کر دیجئے بھیا۔ میں نے تو مذاق میں چھپایا تھا۔ مگر جب بات اتنی سیریس ہو گئی تو میں نے ڈر کے مارے نہیں بتایا۔"

"ہمو!"

"جی بڑ بھیا۔"

"یہاں آؤ میرے پاس۔"

"جی بڑ بھیا!"

"جانتی ہو جھوٹ بولنا پاپ ہے۔"

"مگر بڑ بھیا میں قسم کھا سکتی ہوں کہ چاندنی نے ہار نہیں چرایا۔"

"پھر کس نے چرایا؟"

"میں نے۔" اس نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا مگر اس کی شاف اور معصوم آنکھوں میں ذرا بھی جھجک نہ تھی۔

"نہیں۔"

"تو پھر کس نے چرایا؟"

"میں نے!" بڑے سرکار نے کہا۔

"آپ نے؟ اوہ۔" وہ زور سے قہقہہ مار کر ہنسی' "جایئے بڑ بھیا بھلا آپ۔" اور وہ ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو گئی۔

چندر نے جا کر چاندنی سے کہہ دیا کہ ہمو نے اقبالِ جرم کر لیا ہے کہ ہار اس نے بٹوے میں ڈالا تھا۔

"ہمو نے؟" چاندنی چونک پڑی۔

"ہاں' کیونکہ وہ تمہارے جنم دن پر جل رہی ہو گی۔"

"رام رام کیا کہہ رہے ہو چندر جی! ہمو میری خوشی سے جلے گی؟ وہ تو خود میری خوشی ہے۔ بھگوان نے مجھے کچھ نہ دے کر ہمو کو میرا بنا دیا' بس یہی بڑی سے بڑی دولت ہے۔"

"ارے وہ بڑی بدذات ہے چڑیل۔"

"نہیں نہیں' وہ جھوٹ بول رہی ہے۔"

"ارے واہ! اس میں اسے کیا مل جائے گا؟ بیکار ڈانٹ کھانے کو۔"

"کیوں کہ ---- تم نہیں پہچانتے چندر جی---- کیونکہ وہ بالک کی طرح نرم دل اور بھولی ہے اس نے سارا دوش اپنے سر لے لیا۔"

"تو کیا---- تمہارا مطلب ہے ہار اس نے نہیں بلکہ تم نے خود۔"

"نہیں' میں نے ہار نہیں چرایا۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تم نے تو مجھے چور مان ہی لیا اور سزا بھی دے دی۔ اب چھان بین سے کیا فائدہ؟"

"چاندنی؟"

مگر چاندنی منہ پھیر کر چلی گئی۔

"سنو تو چاندنی۔" چندر نے اس کا بازو پکڑا مگر اس نے دور جھٹک دیا۔

"کیا مجھ سے ساری عمر بات نہ کرو گی؟"

"نہیں۔" چاندنی ہونٹ کاٹنے لگی۔

"تو پھر گئی۔"

"بالکل۔"

"تو مجھ سے بیاہ نہیں کرے گی؟"

"میری موت آئی ہے جو تیرے جیسے چھچھورے سے بیاہ کر کے اپنی ہٹی پلید کرواؤں گی۔"

چاندنی نے ناک سکوڑی۔

"پھر کس سے بیاہ کرے گی؟"

"جس سے میرا من چاہے گا۔"

"تیرے من کی ایسی تیسی۔ میں سالے کے گولی مار دوں گا۔"

"اوہ بڑا آیا لاٹ صاحب گولی مارنے والا۔ پہلے کندی میں منہ دھو آ ---- بدھو۔"

"چاندنی زبان سنبھال کر بات کر---- مجھے بدھو کہہ رہی ہے؟" چندر غرا کر اس پر چڑھ آیا۔

"ہاں ہاں بدھو گنوار۔" چاندنی نے اسے پرے دھکیلا۔

"گنوار؟"

ہاں پلے سرے کا گنوار----" چاندنی پلٹ کر موری پھلانگتی بھاگی۔

"پلے سرے کا گنوار؟" چندر نے اڑنگا لگایا۔

"ہائے رام۔" چاندنی موری سے بہی ہوئی کیچڑ میں رپٹی۔ دانت کچکچا کر اس نے دونوں ہاتھوں سے کیچڑ سمیٹ کر چھپاک سے چندر کے منہ پر ماری اور آن کی آن میں دونوں کیچڑ میں لتھڑم گتھا ہو گئے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" بڑے سرکار نے برآمدے کی سیڑھیوں پر سے پوچھا۔

"ملاپ!" اوشا رانی کھلکھلا کر ہنسیں اور نارنگی کے رس کا گلاس بڑھا دیا۔ چندر اٹھ کر بھاگا اور چاندنی بھیگی ہوئی چوہیا کی طرح غسلخانے میں رینگ گئی۔

"اوشا رانی!"

"جی؟"

"یہ نارنگی کا گلاس تم پی لو۔ تمہیں اس کی بہت ضرورت ہے۔ دیکھو نا کتنی مرجھا گئی ہو۔"

"میں؟"

"ہاں- تم بوڑھی ہوتی جا رہی ہو- ارے بتیس برس ہی میں تمہارے بال سفید ہونے لگے؟ چہ چہ- میری جان کے پیچھے پڑی رہتی ہو' اپنی صورت آئینے میں نہیں دیکھتیں' کیسی پھٹکار برسنے لگی ہے!"

اوشا رانی کے ہاتھ سے رس بھرا گلاس چھوٹ پڑا-

"صورت بھگوان جیسی عادت شیطان جیسی!"

چاندنی بڑے سرکار کی چاندی کے فریم میں لگی ہوئی تصویر پر ریمارک پاس کر کے جی ہی جی میں خوش ہو رہی تھی' اور اسٹنگ بڑھی تو گریبان میں سے قلم نکال کر شیطان لکھ کر سینگ بنانے میں مشغول تھی کہ ایک دم قیامت ٹوٹ پڑی-

"ہائے رام!" چاندنی پلٹی تو ماسی کا وہ زنانے دار تھپڑ پڑا کہ تارے نظر آ گئے-

"نمک حرام! کمینی! چوٹی!" تڑ آتڑ تھپڑوں اور دھموکوں کا طوفان برستا رہا-

"جس تھالی میں کھاتا اسی میں چھید کرتا- بدذات! چھنال کی جنی!"

چاندنی کی چیخیں سن کر سب جمع ہو گئے- وہ دوپٹے سے تصویر صاف کرنے لگی تو چاچی نے اسے ایک زور کا دھکا دیا اور تھانے دار کی طرح تصویر داب کر کھڑی ہو گئی' جیسے قتل کے ثبوت میں اسے لاش ہی تو ہاتھ آ گئی ہو-

"یہ دیکھ---- دیکھ اپنی چہیتی کے لچھن-" انہوں نے چندر کی آنکھوں میں تصویر گھسا کر کہا-

"یہ--- یہ تو نے لکھا ہے؟" چندر نے مری ہوئی آواز میں پوچھا-

"چندر جی-" چاندنی لرز کر ہکلائی-

"ہاں ہاں کہہ دے مالزادی کہ تو نے نا لکھا-" بڑے سرکار کو لائبریری سے نکلتا دیکھ کر چاندنی کو چھوڑ کر ان پر لپکیں-

"تم سے کہتی ہوں اس ابھاگن کو کسی اناتھ آشرم میں پھینکوا دو- یہ دیکھو --- دیکھو-" ماسی رو پڑیں-

"خوب!" بڑے سرکار بڑی دریا دلی سے مسکرائے- سارا گھران کی ایسی پوجا کرتا تھا کہ وہ اکتا گئے تھے- بجائے غصے کے انہیں چاندنی کی اس شرارت میں چاشنی ملی- "مگر ماسی اگر ہمارے بارے میں کوئی کچھ رائے رکھتا ہے تو اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟" وہ ہنستے ہوئے چلے گئے-

"بڑی آئی رائے کی بچی! ارے مٹی ڈالوں اس کتیا کی شکل پر--- موئی حرام

کی بچ!"

"چندر جی میں نے---- میں نے تو یونہی مذاق میں۔"

"تمہارا ان سے مذاق کا کونسا ناطہ ہے؟" چندر غرایا۔

"میں ہاتھ جوڑتی ہوں چندر جی بھول ہوئی' تمہارے پیر پڑتی ہوں۔"

"میرے ہاتھ پیر جوڑنے سے کام نہ چلے گا' جسے گالی دی ہے اسی سے معافی مانگو۔" چندر نے اسے جھٹکے سے الگ کر دیا۔

"ہائے---- نہیں----" چاندنی سہم گئی۔

"ہوں---- تو اب تو ان سے معافی بھی نہیں مانگے گی؟ قسم سے اتنے جوتے پڑیں گے کہ۔" چندر غرایا۔

"تو مار لو جوتے۔"

"دور ہو--- مجھ سے آئندہ بات کی تو اچھا نہ ہو گا۔"

"تو معافی مانگ لوں گی' چلو۔"

"میں کیوں چلوں؟" چندر کرسی پر لیٹ گیا۔

"ہائے میں اکیلی جاؤں؟" چاندنی بگڑی۔

"اکیلی کو کیا کوئی کھا جائے گا؟"

"مگر--- میں----" چاندنی کچھ نہ بول سکی' "ہو رانی!"

"نا بھئی مجھے کاہے کو پھنساتی ہو' مجھے کلاس جانا ہے۔"

"ہے بھگوان! رام کرے میں تو مر ہی جاؤں۔ ہو جی دروازے تک چلو---- میری کیسی ہو جی-----" چاندنی اسے پھسلانے لگی۔

"چل' دروازے تک چلے چلتے ہیں پر کہے دیتے ہیں ہم اندر نہیں جائیں گے ہاں۔" ہو راضی ہو ہی گئی۔

"مگر سوریا تجھے یہ کیا سوجھی؟ باپ رے باپ! بڑے بھیا کو شیطان کہتی ہے! وہ تو تیرا کتنا خیال کرتے ہیں۔"

"تو نہیں جانتی ہو۔" وہ ایک دم چپ ہو گئی۔

"ارے میں سمجھتی ہوں۔ تجھے وہ غصے سے گھورتے ہیں تو تو سمجھتی ہے نفرت کرتے ہیں۔ نہیں چاندنی وہ تجھ سے نہیں چندرو سے غصہ ہیں اور فیملی پریس میج کا خیال ہے۔ مگر تو دیکھنا وہ راضی ہو جائیں گے۔ لے جا۔" اس نے بڑے سرکار کے دروازے پر پہنچ کر کہا۔

ہو۔ تو بھی---"

"چل ہٹ"

"مگر سن تو۔ دیکھ کیا کر رہے ہیں؟"

"پڑھ رہے ہیں۔ کتاب۔" ہو نے جھانک کر کہا۔

"کیا ہے؟" اندر سے بڑے سرکار بولے۔

"وہ--- چاندنی---- بڑے بھیا۔" ہو پکڑی گئی۔

"تو پھر؟"

"معافی ما---- وہ معافی مانگنے آئی ہے۔"

"اچھا؟" بڑے سرکار دل کی دھڑکنیں سنبھالنے لگے۔ "آنے دو۔" انہوں نے پیشانی سے پسینہ پونچھ کر کہا۔

"تو بھی آ رانی۔" چاندنی اس کے گریبان میں جھول گئی۔

"پرمیلا' درگا سے کہو چائے لے آئے۔" بڑے سرکار نے حکم دیا۔ ہو جھٹکا دے کر بھاگی۔

چاندنی ایک دم بدک کر بھاگنے لگی مگر پھر کوئی راستہ نہ پا کر مرے مرے قدموں سے اندر داخل ہوئی۔ بڑے سرکار اس کی طرف پیٹھ کیے بالکل بے خبر بیٹھے تھے' وہ پھر پلٹ کر جانے لگی۔

"تو تم معافی مانگنے آئی ہو؟ وہ اس کی طرف مڑے مگر نظریں کتاب پر جمائے رکھیں۔ چاندنی کی کچھ ہمت بندھی۔

"آؤ' بیٹھو۔" وہ سہمی ہوئی آئی اور ایسے پر تولتی ہوئی چڑیا کی طرح کرسی کی نگر پر ٹک گئی کہ شو کیا اور پھر سے اڑی۔

"ہوں۔ تو اپنے کون کون سے گناہوں کی معافی مانگنے آئی ہو؟" وہ بڑبڑائے۔

"جی۔" مری ہوئی آواز حلق ہی میں سسک کر رہ گئی۔

"ہاں۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری' "پچھلے جنم میں جو پاپ کیے تھے ان کی سزا مل رہی ہے؟ وہ جیسے خود سے بولے۔

"میں نے غلطی کی' معافی چاہتی ہوں۔" وہ اٹھ کر چلنے کو تیار ہو گئی۔

"مگر میں نے تو ابھی معاف نہیں کیا۔" وہ شرارت سے مسکرائے۔ "بیٹھو۔" مگر چاندنی کھڑی رہی۔

"کوئی میرے سوال کا جواب نہیں دیتا۔" وہ بڑبڑائے۔

"جی؟" چاندنی کچھ نہیں سمجھی۔ انجانا خوف اس کا گلا گھونٹنے لگا' وہ ہچکی

نگاہوں سے انہیں تکنے لگی۔

"کہ۔۔۔۔ کہ تم جب یوں دیکھتی ہو تو میرا دماغ پھٹنے لگتا ہے۔ ان کی آنکھوں میں آسیب سر اٹھانے لگے۔

چاندنی نے نادم ہو کر جھٹ سے پلکیں جھکا لیں' بڑے سرکار ہنس پڑے۔

"یہ اور بھی زیادتی ہوئی۔ وہ خود سے بولے۔

"میں جاؤں؟"

"مگر میرے سوالوں کا جواب تو دیتی جاؤ۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں؟"

"ہاں تم۔۔۔۔ تم میرا تماشہ بنانا چاہتی ہو؟" ایک دم ان پر خون سوار ہو گیا۔

چاندنی نے جٹ پلکیں جھکا لیں۔

"یہ اور بھی ظلم ہوا۔" بڑے سرکار نے فریاد کی۔

"میں۔۔۔۔ میں جاؤں؟"

"میرے سوالوں کا جواب دیتی جاؤ۔ مجھے کیا ہو گیا ہے؟" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا' "میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

چاندنی ایک دم اٹھ کر بھاگی۔

"ٹھہرو۔۔۔۔" انہوں نے لپک کر اس کا بازو تھام لیا۔ ہاتھ لگنا تھا کہ قیامت ٹوٹ پڑی' فضا میں بارود پھٹ پڑی' ایک خاموش دھماکہ ہوا اور بڑے سرکار کا جسم لرزنے لگا' گردن کی رگیں کھڑی ہو گیں' پسینے کے فوارے پھوٹ نکلے۔ بڑی لجاجت سے انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے دل پر رکھا۔ معلوم ہوتا تھا اندر کوئی زخمی درندہ اچھل رہا تھا۔ پھر انہیں ہوش نہ رہا' انہوں نے وحشیوں کی طرح اس کے کپڑے تار تار کر ڈالے۔ چاندنی کے منہ سے ایک گھٹی ہوئی چیخ نکلی اور ہونٹوں پر ان گنت سانپ ڈسنے لگے۔

ایک پرشور جھناکا ہوا اور آرتی کی تھالی چیختی چنگھاڑتی فضا کے کان گنگ کر گئی۔

"کلنکنی! ڈائن تیرا ستیاناس ہو۔" ماسی دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا نوچنے لگیں جیسے پھانس چھڑا رہی ہوں۔ ایک دم وہ لڑکھڑا کر کرسی سے ٹکرائیں۔ خون کے دباؤ سے ان کا منہ نیلا پڑ گیا' جیسے کالی ناگن نے ڈس لیا ہو۔ تیورا کر وہ فرش پر ڈھیر ہو گیں۔

تھالی کی آواز اور چاندنی کی چیخ سن کر سارا گھر دوڑ پڑا۔

"ڈاکٹر' بھگوان کے لیے ڈاکٹر۔۔۔۔" اوشا ماں کا سر زانوں پر رکھ کر بلکنے لگی۔

بہو نے جلدی سے دیوار سے چپکی ہوئی چاندنی کی درگت سے سہم کر اس پر پلنگ سے چادر گھسیٹ کر ڈال دی اور وہ گرتی پڑتی بھاگی۔

"منشی جی ڈاکٹر کو فون کیجیے' فالج معلوم پڑتا ہے۔"

چندر ماسی کے منہ پر پانی چھڑکنے لگا۔

"نہیں!" وہ بڑی زور سے چیخے مگر سب کو حیرت سے تکتا دیکھ کر سنبھل گئے' "میں فون کرتا ہوں۔"

نمبر ملاتے وقت وہ سوچنے لگے اگر ماسی بچ گئی تو؟ تو سارا طمع اتر جائے گا۔ وہ یہ زلت نہ سہہ سکیں گے۔

"ہوں۔ ڈاکٹر نے فون پر جواب دیا۔ ہلو!"

مگر انہوں نے مجرموں کی چاروں طرف دیکھا اور فون رکھ دیا۔

ماسی دل کی پرانی مریضہ تھیں۔ بڑے سرکار نے بیکار جھوٹ بول کر اپنے ضمیر پر پتھر لاد لیے۔ اگر ڈاکٹر کو اطلاع بھی ہو جاتی تو وہ اس کے آنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتیں۔

چاچی نے دم توڑنے سے پہلے بہت کچھ کہنا چاہا مگر زبان نہ کوئی۔ انہوں نے اوشا کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھمانا چاہا مگر وہ انجان بنے رہے۔ ماسی کے سرہانے بیٹے سر پکڑے روتے رہے۔ کون جانے وہ ماسی کو رو رہے تھے یا اور موت کا ماتم کر رہے تھے' جو ان کے وجود میں آہستہ آہستہ رینگتی چلی آ رہی تھی! سب یہی سمجھے کہ ماسی نے غصے میں چاندنی کو مارا اس وجہ سے شاید دماغ کی کوئی رگ پھٹ گئی۔

بڑے سرکار نے اس کی تردید کرنے کی ضرورت نہ سمجھی اور چاندنی کی زبان نہ کھل سکی۔

ماسی کی موت کے بعد کئی مہینے تک خاموشی چھائی رہی۔ بڑے سرکار بالکل ہی گوشہ نشین ہو گئے۔ اپنے کمرے میں اکیلے اپنے خیالوں کی دنیا میں کھو کر وہ اور بھی الجھ گئے۔ چاندنی بھی یہی کوشش کرتی کہ اس پر ان کی نظر ہی نہ پڑے۔

اوشا رانی پر سارے گھر کی ذمہ داری آن پڑی۔ اب تو وہ بالکل گھر والی معلوم ہونے لگیں۔ بالکل پرانی بیاہی بیوی کی طرح جسے شوہر گھر کے سازو سامان کی طرح

رکھ کر بھول گیا ہو۔

موسم میں کچھ بیکل کے جراثیم آ گئے تھے' ٹیسو کا جنگل دہک اٹھا تھا' بڑے سرکار کچھ بے چین سے رہنے لگے تھے مگر فضا ابھی چپ چاپ تھی۔

چاندنی بے خبری میں تیتری کی طرح ناچتی زینے پر سے اتر چلی آ رہی تھی۔ آج بڑے سرکار اکتا کر باہر نکل پڑے تھے اور پیانو کے پاس بیٹھے یونہی اکا دکا سر چھیڑ رہے تھے' اسے دیکھ کر مہینوں کی دبی ہوئی چنگاری کو پھر ہوا لگی اور ان کی انگلیاں پیانو کے پردوں پر بھٹکنے لگیں۔ چاندنی بوکھلا کر بھاگنے کو مڑی۔

"سنو!" سانپ کی پھنکار کی طرح ان کی آواز سرسرائی۔ چاندنی کے روئیں روئیں کھڑے ہو گئے اور جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔

"ادھر آؤ۔" ان کی آنکھوں میں سے جیسے دو کالے ناگ نکل کر اس کے جسم کے گرد لپٹ گئے۔ ایک انجانی طاقت سے کھنچتی ہوئی وہ ان کی طرف بڑھنے لگی۔ ہوا سکتے میں رہ گئی' فضا نے سانس روک لیا۔ بڑے سرکار کی نگاہیں لوہے کی گرم گرم سلاخوں کی طرح اس کے آر پار نکل گئیں۔

آہستہ سے انہوں نے اس کی مختصر سی کمر کو اپنے ہاتھوں کے حلقے میں جکڑ لیا۔ ہاتھ ہولے ہولے اوپر سرکنے لگے۔ اوپر۔ اور اوپر۔ مفلوج پرندے کی طرح وہ ڈھیلے ہاتھ چھوڑے لرزتی رہی۔ ایک ہلکے سے اشارے پر وہ ان کے سینے سے لگ گئی۔

دھڑ دھڑ کرتا چندر طوفان میل کی رفتار سے سیڑھیوں پر سے اترا۔ ایک دم فضا چیخ کر جاگ اٹھی' چاندنی بڑے سرکار کے ہاتھوں سے نکل کر چندر سے لپٹ گئی۔

"چندر جی۔ چندر۔"

بڑے سرکار نے اپنے خالی ہاتھ پیانو کے سروں پر دے مارے اور ان پر اپنا سر ڈال دیا۔ یوں بڑے بھائی کے سامنے چاندنی کا لپٹنا اسے بڑا ناگوار گذرا۔

"ارے ارے۔ بڑے بھیا بیٹھے ہیں پگلی"

چاندنی گھبرا کر دور ہٹ گئی اور مرے مرے قدموں سے اوپر چل دی۔

"کیا ہوا بڑے بھیا۔" وہ انہیں سر تھامے دیکھ کر گھبرا گیا۔ "کیا سر میں درد ہے؟"

"آئیں--- ہاں----"

"افوہ! آپ دن بھر پڑھا کرتے ہیں۔ میں ابھی ٹھیک کیے دیتا ہوں۔"

"چاندنی۔" اس نے زینے کے پاس جا کر پکارا۔

چاندنی نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا ہے چندر جی۔"

"ذرا دیدی کے کمرے سے بادام کے تیل کی شیشی تو لے آؤ۔" اس نے ہانک لگائی "بڑے بھیا آپ ذرا آرام سے کرسی پر لیٹ جائیے۔" اس نے انہیں لٹا کر جوتوں کے بند کھولنے شروع کیے۔

چاندنی تیل لے کر آئی تو اس نے کہا۔

"ذرا بھیا کے سر میں تیل ڈالو۔" وہ ان کے پیر دبانے لگا۔

"میں؟ چندر جی؟"

"ہاں۔"

"میں--- مجھے کام ہے۔ تم---- تم ڈال دو نا۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"ارے میں ٹینس کی پریکٹس کے لئے جا رہا ہوں۔ ہاتھ چکنے ہو گئے تو ریکٹ پھسل جائے گا۔"

"دھو لینا ہاتھ۔"

"بکو مت۔ تم ڈال دو گی تو کون سا تمہارا دم نکل جائے گا۔"

جتنا اکیلے میں چاندنی سے دبتا تھا اتنا ہی سب کے سامنے دکھانے کے لیے اس پر رعب جماتا تھا۔

"رہنے دو چندر' آپ ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" بڑے سرکار بڑی معصومیت سے کراہے۔

"ارے واہ' بھلا آپ ہی کیسے ٹھیک ہو جائے گا؟ چاندنی!"

چاندنی اس کی آواز کے روکھے پن سے سہم کر تیل ڈالنے لگی' بڑے سرکار اس کی گھبراہٹ کا مزہ لینے لگے۔

چندر آج کا اخبار کہاں ہے؟ انہوں نے اخبار پہلو میں دبا کر پوچھا۔ چاندنی کے پسینے چھوٹنے لگے۔

آپ کے کمرے میں ہو گا۔"

"نہیں' وہاں تو نہیں ہے۔"

"تو شاید برآمدے میں رکھا ہو گا' لاؤں"

"پلیز۔"

"اور وہ ریکٹ کی بلٹی چھڑانا ہے۔" چندر نے دبی زبان سے کہا۔

"بٹوہ سرہانے ہو گا۔"

"ابھی لایا۔" چندر سیڑھیوں پر لپکا۔

"چندر جی۔" چاندنی کی مری ہوئی آواز حلق میں ہی اٹک گئی۔

"بڑے سرکار کے چہرے پر خبیث مسکراہٹ لرزنے لگی' نتھنے پھیل گئے' گردن کی رگیں پھڑپھڑانے لگیں۔ کنپٹی کھجانے کے بہانے انہوں نے چاندنی کی انگلیاں چھو لیں۔ لرز کر چاندنی نے ہاتھ کو سمیٹ لیا۔

اس کی نظریں زینے پر لگی تھیں کہ کب گدھا چندر اخبار ڈھونڈ کر لائے تو اس کی گلو خلاصی ہو۔ کاش اخبار چھپا تا دیکھ کر وہ چلانے لگتی---- مگر اس میں کہاں اتنا دم تھا؟ بڑے سرکار نہایت مکاری سے انجان بنے بار بار اس کی انگلیوں سے چھیڑ چھاڑ کئے جا رہے تھے۔

چاندنی کی دعا قبول ہو گئی۔ اوشا رانی رسوئی کی طرف سے لوٹ رہی تھیں۔ کوئی بڑے سرکار کا کام کرے۔ یہ ان کی حق تلفی تھی۔ ہولے سے آکر انہوں نے چاندنی کو ہٹا دیا اور خود سر تھپکنے لگیں۔ ایک دم بڑے سرکار نے حیرت سے آنکھیں کھول دیں' ان کے دل میں خوشی سے مور ناچنے لگے' انہوں نے پھر بڑی ہوشیاری سے ہاتھ چھونے کی کوشش کی۔ جب کوشش الٹی ادھر سے بھی ہونے لگی تو ان پر نشہ طاری ہو گیا۔ اوشا کھل کر پھول کی طرح مہک اٹھیں۔ مزاحمت نہ پا کر ہولے سے انہوں نے ان کی انگلیوں میں اپنی کانپتی ہوئی انگلیاں سونپ دیں۔ بڑے سرکار نے ناخنوں ان کی ہتھیلی میں آہستہ سے گاڑ دیا۔ مسرت سے جھوم کر اوشا نے آنکھیں بند کر لیں۔ ہمت اور بڑھی اور بڑے سرکار نے ان کا ہاتھ کھینچ کر اپنے رخسار پر رکھ لیا۔ ذرا سی ٹھیس کی بات تھی' اوشا رانی کچے پھل کی طرح بڑے سرکار کی گود میں آ رہیں۔

بڑے سرکار پر جیسے آسمان پھٹ پڑا۔ وہ انہیں دور جھٹک کر ایک دم کھڑے ہو گئے' جیسے کسی نے ان پر بھر ٹوکری سانپ لوٹ دیئے ہوں۔ اوشا رانی بے سہارا ہو کر دھڑام سے کچے فرش پر گریں۔ اچانک یوں رنگ میں بھنگ کی وجہ تھوڑی دیر ان کی سمجھ میں نہیں آئی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بڑے سرکار کی شعلہ بار آنکھوں کا جلال دیکھ کر کانپ اٹھیں۔

"ہوں' سمجھی!" انہوں نے فوراً ہی معاملے کی تہہ کو پہنچ کر سر ہلا دیا۔

"کیا سمجھیں؟ تم کچھ نہیں سمجھیں۔ سمجھنے کی طاقت ہوتی تو۔"

"تو؟"

"تو---- تو یہ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی کہ---- کہ---- افوہ---"

اوشا کی آنکھوں سے بڑے بڑے آنسو ڈھلکتے دیکھ کر وہ پست ہو گئے۔

"میرا کوئی کام آپ کو پسند نہیں؟"

"مگر تم آخر میرے ہی پیچھے کیوں پڑی ہو' گھر کا اور کوئی کام کیوں نہیں کرتیں؟"

"میرا ہاتھ لگانا آپ کا اتنا ناگوار گزرا؟ اور وہ---- وہ----"

"کون؟" بڑے سرکار گرجے۔

"آپ جانتے ہیں کون۔ آپ نے اس کا ہاتھ سمجھ کر پکڑا تھا۔"

اوشا رانی اتنی ہتک نہ سہار سکیں اور سسکنے لگیں۔

"بند کرو بکواس! بیوقوف---- کیا---- کیا تم مجھے بدنام کرنا چاہتی ہو؟---- تم!" انہوں نے اوشا کو کندھے سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔ وہ بری طرح روتی ہوئی ان کے چرنوں پر گر گئیں:

"بھگوان کے لئے ایسا نہ کہیئے۔ میں مر جاؤں گی' مجھے یوں نہ ٹھکرایئے۔

"اوشا رانی' یوں عورت جاتی کی ہتک کرنے سے تو اچھا ہے تم مر ہی جاؤ۔ بھگوان کے لئے مجھے مجبور نہ کرو۔"

اوشا رانی کی جیت نے ذرا آنکھ کھول کر انگڑائی لی۔

"آپ یہ اچھا نہیں کر رہے ہیں' پچھتائیں گے۔"

"تمہاری بلا سے' تمہیں میرا اتنا درد کیوں ہے؟"

"اس لئے کہ---- کہ---- آپ تو خود جانتے ہیں یہ اپنے بس کی بات نہیں ہوا کرتی۔"

"اوہ' میرا دماغ نہ چاٹو---- جاؤ----"

"میں----"

"کہتا ہوں جاؤ!"

"اوشا سسکیاں روکتی بھاگیں ایک دم بڑے سرکار سہم گئے:

"اوشا' سنو اوشا' تمہیں ہماری سوگند۔"

اوشا زخمی ہرنی کی طرح ٹھٹک گئیں۔

"بھئی بڑی بیوقوف ہو---- مذاق میں ہی رو پڑیں!" انہوں نے آہستہ سے اس کی ٹھوڑی چھو کر کہا۔ اوشا احمقوں کی طرح تکنے لگی۔

"چندر نے زبردستی کما تیل ڈال دو' میں انکار نہ کر سکا۔ پھر تم آ گئیں تو مجھے فوراً پتہ چل گیا۔ مگر یونہیں نہ جانے کیا دل میں سمائی کہ تمہیں ستانے کے لئے---- ذرا مذاق میں کھینچا' تم گر پڑیں تو میں گھبرا گیا---- تم ہی سوچو---- میں سمجھا تھا تم ہاتھ چھڑا لو گی۔"

"اوہ----" اوشا اتنا ہی سارا قصور جان کر شرم سے سرخ ہو گئیں۔

"اگر تمہیں ناگوار گزرا تو معاف کر دو' غلطی ہوئی۔"

"مگر---- مگر آپ کو پسند نہیں کہ میں آپ کا کوئی کام کر دوں؟"

"بالکل پسند نہیں اور جب تمہیں کام کرتے دیکھتا ہوں تو خون کھول جاتا ہے۔ اتنے نوکر کس لئے ہیں؟ بس تم ضد کرتی ہو تو الٹی سیدھی باتیں منہ سے نکل جاتی ہیں' بعد میں افسوس ہوتا ہے۔ معاف کر سکو گی؟"

"کوئی بات نہیں۔" اوشا اور شرمائی۔

"ارے تمہاری کہنی چھل گئی۔ بھئی میں بڑا ذلیل ہوں۔"

"نہیں---- نہیں ایسی کچھ زیادہ چوٹ نہیں لگی۔"

اوشا بچاری نے عاشقوں کی اور کوئی طور طریقے تو نہ دیکھے تھے' دل میں سمجھیں یہی طریقہ ہوا کرتا ہو گا۔ عاشقوں کا۔ مسکراتی رہیں۔ اتنے میں چندر آ گیا۔

"کہیں نہیں ملا اخبار۔ ارے یہ تو یہاں پڑا ہے۔" بڑے سرکار ہڑبڑا کر اٹھے تو پہلو سے اخبار ٹپک گیا تھا۔ "تم ایسے طوفان کی طرح گرجتے برستے زینے پر چڑھتے ہو کہ پکارا بھی پر تم نے نہ سنا۔"

چندر کھسیا کر جانے لگا۔

"ارے چندر ادھر آؤ' اخبار اٹھاتے لاؤ۔ پھر انہوں نے بیٹھ کر چندر سے اسپورٹ کالم پر مباحثہ شروع کر دیا۔

اوشا چندر کی جان کو کوستی ٹھنڈی سانس بھر کے چلی گئیں۔ ایک ذرا سا موقعہ ملا تھا' اچھا خاصہ امید افزا لوسین چل رہا تھا کہ منحوس ٹپک پڑا۔ معاملہ پھس ہو گیا۔ خیر آج رات جب خوابوں کا تانا بانا بنا جائے گا۔ تو وہ ان کے ہاتھ کا لمس' وہ ان کی آغوش کا ایک لمحہ' وہ ٹھوڑی پر انگلیوں کا چھونا---- سب ہی تو اجاگر ہو کر دل کے سونے پن کا سہارا بن جائے گا۔

پے در پے ناکامیوں سے بجائے چاندنی کا سودا کم ہونے کے اور عجیب عجیب شکلیں اختیار کرنے لگا۔ اگر بڑے سرکار معمولی انسان ہوتے تو شاید حالات اتنی نازک صورت نہ اختیار کرتے' انہیں اوشا سے پیار ہو جاتا یا عورت ذات سے نفرت ہو جاتی اور سدا کنوارے رہنے کی قسم کھا لیتے۔ مگر وہ آہستہ آہستہ قوت ارادی کھوتے جا رہے تھے ان کی وحشتیں اور بڑھ رہی تھیں: رات رات بھر سردی میں ننگے پیر کھلی چھت پر ٹہلا کرتے۔ اگر رات گئے آنکھ لگ بھی جاتی تو ان کے دماغ میں جو بھوت پریت قید تھے آزاد ہو کر اودھم مچانے لگتے اور تب ان کا بس نہ چلتا اور ان کا شعور من مانی کرنے پر تل جاتا۔ کبھی چونک کر جاگ پڑتے تو انہیں معلوم ہوتا نہ جانے رات کو کس وقت وہ نیند میں چل کر چاندنی کے دروازے تک پہنچ گئے ہیں' اس کی دہلیز پر سر ٹکرائے آنسو بہا رہے ہیں۔ جب ہوش ٹھکانے ہو جاتے تو شرم اور ذلت سے مضمحل ہو کر وہ بھاگ کھڑے ہوتے۔ رات کے سناٹے میں وہ دور دور جنگل میں بھٹکتے چلے جاتے۔ تب تو انہیں نیند سے بھی ڈر لگنے لگا کیونکہ وہ اسی طرح بجائے دروازے کے تاریک راستوں سے گزرتے ہوئے اس برج پر پہنچ گئے جہاں سے چاندنی کے کمرے کی کھڑکی تک پہنچنے کے لئے ایک نہایت خطرناک پتلی سی منڈیر پر چل کر جانا پڑتا تھا اپنے ہوش و حواس میں ہوتے تو ان کی کبھی ہمت نہ پڑتی کیونکہ منڈیر اتنی بوسیدہ اور پتلی تھی کہ کوئی بندر یا بلی ہی چل سکتی تھی۔ اس پر نیند میں۔ جب پانچوں حواس سو رہے تھے---- چاندنی کی لگن ایک چھٹی حس بن کر انہیں تھسیٹتی لئے جا رہی تھی۔ ساری کمزوری اور خوف اس چھٹی حس کا تابع ہو کر سو رہا تھا' صرف ایک انجانی آسیبی طاقت جاگ رہی تھی۔ ایک دل دوز چیخ سناٹے کو توڑتی ہوئی دور پہاڑیوں پر سر پٹخ کر واپس پلٹی' آسمان سے ایک تارا ٹوٹا اور لمبے شگاف کے سرے پر دم توڑ کر ڈوب گیا' بڑے سرکار ایک خاموش دھماکے سے جاگ پڑے۔ انہوں نے دیکھا وہ کھڑکی تک پہنچ چکے ہیں۔ شیشہ ننگے ہاتھ سے توڑنے کی وجہ سے بری طرح خون میں تر ہو رہا ہے۔ ایک دم چھٹی حس جو سوتے میں انہیں بہکا لاتی تھی اب تنہا چھوڑ کر غائب ہو گئی۔ ان کی نظر نیچے کھاڑی کی طرف گئی تو سارا کائنات ہنڈولے کی طرح چکر کھانے لگی۔ سب کو جان پیاری ہوتی ہے اور اس وقت بڑے سرکار دیوتا نہیں ایک معمولی سے سہمے ہوئے انسان تھے۔ دیوار سے چپک کر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

چاندنی کی مسلسل چیخوں سے گھر میں جگار ہو گئی۔

"وہ---- وہ----" چاندنی دیوانوں کی طرح کھڑکی کی طرف اشارہ کر رہی تھی' "بڑے سرکار---- بڑے سرکار----" اور وہ وہیں چندر کی بانہوں میں ڈھیر ہو گئی۔ اسے ہمو کے ہاتھوں میں سنبھال کر جب چندر کھڑکی پر آیا تو اوشا دیدی وہاں پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔

"کون تھا۔" چندر کھڑکی کھولنے لگا۔

"نہیں---- کوئی نہیں تھا۔" اوشا کی چیخ نکل گئی۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے کھڑکی کے پٹ تھام لئے۔

"مجھے دیکھنے تو دیجئے۔ اگر کوئی تھا تو اتنی جلدی بھاگ نہیں سکتا۔"

"نہیں۔" انہوں نے چندر کو دھکا دیا۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر بڑے سرکار کا پول کھل گیا تو وہ زندہ نہ رہ سکیں گے۔ پٹ بند کرنے سے پہلے اس نے ان کا خون میں نہایا ہوا ہاتھ اور ان کی انگوٹھی دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ انہیں بہت دن سے شبہہ ہو رہا تھا۔ محبوب اپنے دیوانے سے دل کا حال کب تک چھپا سکتا ہے! مگر وہ ان کی محبوبہ نہیں پجارن تھیں۔

"نہیں چندرو چور ہو گا تو تیری گردن کاٹ لے گا۔" ہمو چلائی۔

"اگر ان کا پیر پھسل گیا تب بھی موت واقع ہو گی۔ اوشا نے دانت بھینچ کر سوچا' مگر بڑے سرکار کے ناموس پر دھبہ تو نہ لگے گا۔ آنے والے حادثے کے خوف سے وہ سر سے پیر تک کانپ رہی تھیں۔ سناٹے پر کان لگائے کھڑی تھیں کہ بڑے سرکار آہستہ آہستہ سرک رہے تھے۔ ایک پتھر ٹھوکر کھا کر گرا اور دور تک وادی میں سر ٹکراتا چلا گیا۔ اوشا نے ایک گھٹی ہوئی سسکی بھری۔

"باہر کوئی ہے' مجھے دیکھنے تو دیجئے۔" چندر نے انہیں ہٹانا چاہا مگر وہ اعصاب کے تناؤ سے بپھر کر ایسی بری طرح چیخیں کہ وہ گھبرا گیا۔

"چندرو بھیا کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑا ہے۔" ہمو نے اپنے بھولپن سے موقعے کی نزاکت کو سنبھال لیا۔ "اوشا دیدی اسے مت جھانکنے دیجئے گا۔"

"تم لوگ اپنے اپنے کمرے میں جاؤ۔ ہمو جی چاندنی کو میرے کمرے میں لے جاؤ۔"

"میں بھی وہیں سو جاؤں؟"

"ہاں۔ میں یہاں سو جاؤں گی۔"

"نہیں اوشا دیدی' چور پھر آیا تو۔"

"نہیں بی بی چور اب نہیں آئے گا۔" وشانے مہین مری ہوئی آواز میں کہا۔

"چاندنی تو نے اپنی آنکھوں سے چور کو دیکھا۔" ہمو نے پوچھا۔

"چور نہیں---- وہ----" چاندنی ایک دم چپ ہو گئی۔

"چور نہیں تو پھر کون تھا؟"

"کوئی نہیں۔" چاندنی چڑ گئی۔

"تو پھر کیوں چیخی؟"

"سپنے میں ڈر گئی تھی۔"

"مگر---- شیشہ کس نے توڑا؟"

"میری جان نہ کھاؤ ہمو۔" چاندنی رو پڑی۔

"ارے واہ' ہم تو پوچھ رہے ہیں۔" ہمو اداس ہو گئی۔

"نہ پوچھ' بس سو جا ہمو رانی۔" چاندنی نے پیار سے کہا۔

"چاندنی؟" ہمو نے سونے سے پہلے پوچھا۔

"ہوں؟"

"تو نے بڑے بھیا کو پکارا تھا۔"

"میں نے' نہیں تو"

"ہاں جب میں جاگی تو تو بڑے سرکار' بڑے سرکار چلا رہی تھی۔" ہمو نے اس کی نقل کی۔

"اچھا؟ مجھے یاد نہیں۔"

"مگر شاید بڑی گہری نیند سو رہے ہیں' وہ تو اٹھے بھی نہیں۔"

"ہوں۔ چاندنی نے دوپٹے سے منہ ڈھانک لیا۔ وہ کیسے بتائے ہمو کو؟ مگر اس سے بہتر موقع پھر نہ ملے گا' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی:

"ہمو۔"

"ہاں۔"

"تجھے میری بات کا وشواس ہو گا؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"اگر میں چندر جی کی قسم کھا کر کہوں تب یقین کرے گی۔"

"ہاں کیا بات ہے؟"

"وہ شیشہ۔" مگر اس لئے زیادہ وہ نہ کہہ سکی۔ دروازے پر اوشا کھڑی تھیں' موم بتی کی روشنی میں اس نے دیکھا۔ انکی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔

"تو کیا کہہ رہی تھی۔" ہمو نے اوشا کو نہیں دیکھا تھا۔

"اگر تمہیں رات کے دو بجے بکواس کرنی ہے تو نکلو یہاں سے" انہوں نے ڈانٹا۔

"مگر اوشا دیدی چاندنی کے کمرے میں تو۔۔۔۔"

"ہاں وہیں جاؤ تم دونوں۔ چور تمہارا گلا دبا دے تب مزہ آئے۔ بھلا رات کے وقت چاندنی نے کیا دیکھا ہو گا کہ کون تھا! اور ہو گا کون! یہ نیچے کھاڑی میں چور اٹھائی گیرے بھرے پڑے ہیں۔"

"مگر کوئی چڑھا کیسے ہو گا؟" ہمو نے جرح کی۔

"مجھے کیا معلوم کیسے چڑھے ہو گا۔ میں کوئی چور ہوں! صبح پتہ چل جائے گا سب۔ اب چپ چاپ سو جاؤ۔"

انہوں نے الماری میں سے فرسٹ ایڈ کا بکس نکالا اور باہر سے دروازہ بند کر کے چلی گئیں کہ کہیں ہمو ان کے پیچھے ٹوہ لینے نہ آئے۔

"کس کے گولی چوٹ۔" ہمو نے پوچھا۔

"شی۔" چاندنی نے کروٹ لے لی۔

"اوشا دیدی تو چور کی جیسے گی ہیں۔ ایسی حمایت کر رہی ہیں کہ بات ہی نہیں کرنے دیتیں۔"

"سو جا رانی۔" چاندنی نے خوشامد کی۔

"میں بتاؤں!" ہمو نے اچھل کر کہا۔

"کیا؟"

"کوئی اوشا دیدی کا پریمی ہو گا' اسے عشق لڑانے آیا ہو گا' بھولے سے ادھر آ گیا۔"

پریشانی کے باوجود چاندنی ہنس پڑی۔ "چل پگلی۔"

"سچی یہی معاملہ ہو گا' جب ہی تو اس کی بچ کئے جا رہی ہیں۔ خود تو گردن نکال کر جھانک لیا' چندرو بھیا کو ڈانٹنے لگیں۔ وہ دیکھ لیتے تو پکڑا جاتا نہ ان کا چہیتا۔"

"ہمو اگر تو بکواس بند نہیں کرے گی تو میں سر پیٹ لوں گی۔" چاندنی نے ڈانٹا اور ہمو چپ ہو گئی۔

ہمو تو سو گئی مگر چاندنی آنکھیں پھاڑے چھت کو گھورتی رہی۔ آنکھیں بند کرتے ڈر لگتا تھا۔ بار بار اس کی نظریں دھندلی دھندلی پراسرار کھڑکیوں کی طرف جا رہی تھیں' جیسے ہر کھڑکی کے ساتھ کوئی اجنبی لگا کھڑا تھا۔ ادھر اس کی آنکھ لگی ادھر وہ آیا جھپٹ کر اس کی چھاتی پر اپنی بے بسی پر اسے رونا آ رہا تھا اور غصہ بھی۔ ہائے وہ کمبخت کیوں پیدا ہوئی تھی؟ وہ نہ ہوتی تو کون سی دنیا سنسان رہ جاتی۔

فرسٹ ایڈ کا بکس لئے پہلے اوشا بھاگتی ہوئی چاندنی کے کمرے میں پہنچیں۔ دھڑکتے دل سے انہوں نے کھڑکی کھول کر ٹارچ ڈالی' وہاں کوئی نہ تھا۔ نہیں' وہ نیچے نہیں گرے ورنہ آواز سنائی دیتی۔ دوسرے ٹارچ کی روشنی میں انہوں نے دیکھا دیوار پر جہاں سہارا لیا تھا خون کے دھبے تھے۔ کنگر پر بھی خون کی بوندیں تھیں۔ انہوں نے یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا کہ وہ برج تک صحیح سلامت پہنچ گئے۔

تیز قدموں سے وہ ان کے کمرے کی طرف جھپٹیں۔ اندر داخل ہوئیں تو وہ الماری کی دراز میں کچھ ڈھونڈ رہے تھے۔ آہٹ سن کر وہ پلٹے تو ان کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اوشا نے جیسے کچھ نہیں دیکھا' آہستہ سے بکس میز پر رکھ دیا' اسٹول پر بیٹھ کر بڑے اطمینان سے اسپرٹ' روئی اور پٹی نکالی۔

"قینچی کہاں ہے؟" اوشا نے میز کی دراز کھینچ کر قینچی نکالی۔

"ادھر بیڈ ہی پر بیٹھ جایئے۔" بڑی لاپرواہی سے کہا۔

بڑے سرکار کی آنکھوں میں خون اتر کر جم گیا تھا' گال اندر کو اور دھنس گئے تھے جیسے وہ برسوں کے بیمار ہوں' برج پر کانٹوں دار جھاڑیاں تھیں جن کی وجہ کپڑے تار تار ہو گئے تھے۔ یونہیں پستول لئے وہ اوشا کے سامنے رک گئے اور پاگلوں کی طرح اسے گھورنے لگے پستول کی نالی اپنی کنپٹی سے اتنے قریب دیکھ کر وہ نہ لرزی نہ کانپی' نہ موت ڈری جیسے موت کی کڑواہٹ بھی زندگی کی تلخیوں کے مقابلے پھیکی پڑ چکی ہو۔ اسپرٹ میں روئی بھگو کر وہ ان کی طرف مڑی۔ آنکھیں چار ہوئیں اور چند لمحوں کے لئے پنجہ لڑتے رہے۔ بڑے سرکار کی آنکھوں میں نفرت کا زہر تھا' حقارت اور نامرادی تھی' اوشا کی آنکھوں میں اتھاہ محبت کی مٹھاس تھی' نرمی اور پیار تھا۔

بڑے سرکار کی نظریں جھک گئیں! ان کے ہاتھ سے پستول چھوٹ پڑا اور دوسرے لمحے وہ اس کی گود میں سر ڈال کر ننھے بچے کی طرح سسکنے لگے:

"اوشا رانی ہمیں ـــــ ہمیں بچا لو۔ اوشا ہم سے شادی کر لو' ابھی' اسی وقت ـــ اوشا ـــــ ورنہ ـــــ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا' میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ اوشا مجھے بچاؤ۔"

اوشا ایک بار تلملا کر رہ گئی' جیسے کسی نے دستے تک چاقو اس کے کلیجے میں اتار دیا ہو۔ اس نے چاہا آج پوچھ ہی ڈالے۔

"کیا واقعی آپ مجھ سے اتنی نفرت کرتے ہیں؟ کیا آپ سے محبت کر کے میں نے اتنا پاپ کیا ہے کہ اس کی اور کسی طرح پرائشچت نہیں ہو سکتی؟ مگر اس وقت تو میرے دل میں نہ محبت ہے نہ آپ کے لئے نفرت' ایک خلا ہے! شاید ساری عمر آپ کا نمک کھایا ہے' وہی رگ رگ میں بس چکا ہے۔"

مگر اس نے کچھ بھی تو نہ کہا۔ صرف ایک بار تھکی تھکی بیزار آنکھوں سے نظر بھر دیکھا اور ایک زہریلی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ چپ چاپ سر جھکائے وہ پٹی باندھتی رہی' پھر فرسٹ ایڈ کا بکس بڑی نفاست سے سمیٹا اور دروازہ بھیڑ کر چلی آئی۔

وہ رات اوشا نے برآمدے میں ٹہل ٹہل کر گزاری۔ کتنی تنہائی ہے۔ اس کے نصیب کی! دنیا کتنی اکیلی ہے! ماسی کی موت کے بعد سے تو وہ بالکل بنا گائے کے بچھڑے کی طرح گھوم رہی تھیں۔ بڑے سرکار پر کسی قسم کا الزام رکھنا انہوں نے سیکھا ہی نہ تھا۔ ماسی کے حکم کے مطابق وہ انہیں ہر الزام سے بری سمجھتی تھیں۔

"قدرت ان کا امتحان لے رہی ہے۔ دیوتاؤں کو ان سے بیر ہو گیا ہے کیونکہ وہ دیوتاؤں سے بھی اونچے ہیں' عام دھرتی پر رینگنے والے کیڑوں سے بلند و برتر ہیں۔ اس لئے چاندنی کو آسمان سے انہیں نشٹ کرنے کے لئے اپسرا کے روپ میں اتارا ہے ورنہ وہ اتنے نیچ نہیں جو ایک بچی پر برس نظر ڈالتے۔ ساری شیطانی طاقتیں ایک گمنام لڑکی کا روپ دھار کر انہیں ورغلا رہی تھیں۔ وہی تھے جو یوں چپ چاپ جنم کا عذاب بھوگ رہے تھے۔ کوئی اور ان کی جگہ ہوتا تو اپنی واسنا پوری کر کے تباہ کرنے والی کو ہی تباہ کر دیتا۔ آسمان پر جگ مگانے والے سوریہ دیوتا کی بڑائی یہی ہے کہ وہ خاک کے ذروں کو تمازت بخشتا ہے' دھول کو اٹھا کر سر پر نہیں چڑھا لیتا۔ جبھی تو وہ اپنی ہستی کی بازی لگائے قسمت کے لکھے کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اور اوشا کی جگہ ان کے چرنوں میں ہے۔ وہ اس کے گرو دیوتا اور مالک ہیں۔ نہ جانے پچھلے جنم میں کون سے پن کئے تھے کہ ان کے پریم کا جان لیوا روگ انعام

میں ملا ہے۔ ان کی ٹھوکر ہی میں ساری عزت ہے۔ کون جانے دیوتا کا کون سا روپ اصلی ہے اور کون سا عکس بہروپ چاندنی کے لئے ان کے دل میں واسنا ہو سکتی ہے۔ مگر پریم وہ کسی سے نہیں کرتے! اگر کرتے ہیں تو وہ اسی اپنی داسی سے کرتے ہیں! اگر انہیں کوئی روگ لگ گیا ہے تو کیا یہ اس کا دھرم نہیں کہ اپنے جیون کی آہوتی دے کر انہیں بچائے؟ جب ٹہلتے ٹہلتے ٹانگیں شل ہو گئیں اور سوچتے سوچتے دماغ سن ہو گیا تو اوشا نے میرا کے بھجنوں کی کتاب اٹھا کر اپنے درد کی آواز کی گونج ان میں پائی اور اس کا جی ٹھہر گیا۔

میرے تو گردھر گوپال
دوسرا نہ کوئی۔

وہ دھیمی آواز سے پڑھتی رہی جھومتی رہی۔ سارا سنسار سو رہا تھا' ایک ناصر اور عورت اپنے سنسان دل میں غموں کا چراغ جلا رہی تھی' مگر رات اتنی ہی تاریک تھی۔

تھک کر اس نے کچھ سوچا' نہ کسی کو ساتھ لیا نہ روشنی کی فکر کی' سر پر شال اوڑھ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی سرنا دیوی کے مٹھ کی طرف روانہ ہو گئی' راستے کے گھنے جنگل کی سیاہی کو بھی اس نے نہیں محسوس کیا۔ کبھی ادھر باگھ بھی لگا کرتا تھا' ٹیکری پر سانپ اور بچھو کا بھی ڈر تھا مگر اوشا کے پریم کی جوت نے سارے سنسار میں چراغاں سجا دی تھی۔ اور راستہ کہکشاں کی طرح جگمگا رہا تھا۔ دور کہیں سیار ماتم کر رہے تھے' الو ان کی سنگت میں چیخ رہے تھے مگر اوشا ستی ساوتری کی طرح اپنے سہاگ کی رکشا کی دھن میں مست چلی جا رہی تھی۔

چاندنی نے ایسے چیخ ماری جیسے گیلری میں چندر نہیں کوئی بھوت مل گیا ہو۔ اوشا کے کمرے میں اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ہر چہار طرف انجانا سامان نئی نئی بھیانک صورتیں اختیار کر رہا تھا۔ سب دروازے اور کھڑکیاں بند کر لیں تھیں مگر بار بار ادھر ہی نظریں اٹھ جاتی تھیں۔ بہت دھیان بٹایا مگر کھڑکیوں اور دروازوں کی طرف سے اطمینان ہو جاتا تو معلوم ہوتا ہولے ہولے دیوار شق ہو رہی ہے اور کالے کالے سائے اس کی طرف بڑھ رہے ہیں' کوئی دم میں اسے دبوچ لیں گے۔

نیند سے ڈر لگ رہا تھا۔ اٹھ کر اس نے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے اور کپڑے بدل کر باہر نکلی۔ لمبا رستہ سنسان پڑا تھا۔ ڈھلتی ہوئی رات کی دھندلی نیلگوں روشنی میں سائے لپکتے ہوئے اس پر حملہ کر رہے تھے۔ تیز تیز چلتی ہوئی جونہی وہ موڑ پر پہنچی چندر سے ٹکر ہو گئی اور اس کی چیخ نکل گئی۔

"ارے واہ پگلی' اب تو مجھ سے بھی ڈرنے لگی؟" چندر ڈر کر ہنسنے لگا۔

"چندر جی---- ہائے میں مر جاؤں گی۔" وہ اس کے گریبان پر منہ رکھ کر ہچکیوں سے رونے لگی۔

"تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوا بھانک کھول کر کوئی باہر گیا ہے' میں سمجھا کہ کہیں تو نہ ہو۔"

"مجھے ڈر لگ رہا ہے چندر' اس گھر کی دیواروں سے مجھے خوف آ رہا ہے۔ مجھے زندہ نگل جائیں گی مجھے یہاں سے لے چلو نہیں تو میرا دم نکل جائے گا۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو چاندنی؟"

"اگر تم مجھے یہاں سے نہیں لے جاؤ گے تو میں خود چلی جاؤں گی۔" اس نے بھنا کر چندر کو دور دھکیل دیا۔

"مگر کوئی وجہ بھی ہو۔ تیرے ہاتھ کتنے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔" چندر اس کے چھوٹے چھوٹے سرو ہاتھ بھاپ سے گرم کرنے لگا۔

"وجہ؟ وجہ میں یہاں نہ بتا سکوں گی۔ بس کہے دیتی ہوں تو اس وقت مجھے

یہاں سے نہیں لے گیا تو صبح میری لاش ہی ملے گی۔"

"چاندنی! ایسی باتیں نہ کر' میں تیرے ساتھ ہی مروں گا۔" چندر نے اسے لپٹا لیا۔

"مگر میں تو مرنا نہیں چاہتی۔ اسی آس پر تو جی رہی ہوں کہ ایک دن تو میری مانگ میں سیندور ڈالے گا۔ بس پھر تیرے سینے پر سر رکھ کر مر جاؤں گی۔ مجھے یہاں سے نکال لے چل مجھے مت مار چندر۔"

"کون مار رہا ہے تجھے۔ میں کل تجھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گا۔"

"ڈاکٹر کے پاس موت کا علاج نہیں۔"

"مگر----"

"اگر مگر نہ کرو' پچھتاؤ گے۔ تم مجھے ایک دفعہ یہاں سے دور لے چلو پھر میں سب کچھ بتا دوں گی۔ اگر میرا شبہ جھوٹا ہو تو لوٹ آنا۔"

"یہاں نہیں بتائے گی۔"

"راستے میں بتا دوں گی۔"

"صبح تو ہو لینے دے۔"

"نہیں' صبح تک شاید مجھ میں جینے کی ہمت نہ رہے۔"

"اچھا یہ چابی لے' تو کوٹ پہن کر موٹر میں بیٹھ' میں اٹھ کر یونہی چلا آیا۔" چابی لے کر چاندنی نے کمرے میں واپس جا کر کوٹ پہنا۔ ایک نظر غافل سوئی ہوئی کو دیکھا تو جی بھر آیا۔ اس کے بالوں کو آہستہ سے چوما اور نیچے اتر گئی۔ اس نے موٹر کھول کر چندر کا انتظار کرنا شروع کر دیا۔

"کتنی دیر لگا دی تو نے۔" وہ آیا تو چاندنی نے پیار سے اس کے ہاتھ پر چابی مار کر کہا۔ ابھی سے اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہونے لگا۔ چندر نے کچھ جواب نہ دیا' تیزی سے موٹر سٹارٹ کر دی۔ موٹر پر سیاہ کپڑے پہنے کوئی راہ گیر ایک دم سامنے آ گیا۔ مگر چندر نے موٹر کی رفتار کم کرنے کے بجائے اور بڑھا دی۔ چاندنی چیخ مار کر اسے جھنجھوڑنے لگی اور راہ گیر بال بال بچا۔

"تجھے غصہ آ رہا ہے چندر جی۔" چاندنی اس کے بازو سے لگ کر بولی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کرے۔ چندر بڑا گمبھیر بنا سر جھکائے سڑک کو گھور رہا تھا۔ کالر اور ہیٹ سے اس کا چہرہ چھپ گیا تھا۔ مگر فضا میں کچھ عجیب سی الجھن چھائی ہوئی تھی۔

"چندر جی" اس نے ڈرتے ڈرتے اس کا ہاتھ چھوا' "تم ناراض ہو۔"

"نہیں۔" چندر کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

چاندنی نے اٹک اٹک کر شروع سے لے کر آخر تک ایک ایک واقعہ بیان کر ڈالا۔ چندر بپھرا نہیں' اس سے اور اس کی ہمت بندھ گئی موٹر کی رفتار اور بڑھ گئی۔

"اپنی جان کی سوگند کھا کر کہتی ہوں۔ چندر ماسی نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا' جب ہی تو مارے غصے کے ان کے دماغ کی رگ پھٹ گئی۔ اگر وہ جیتی رہتی تو سارا بھید کھل جاتا۔ اوشا دیدی بھی سب کچھ جانتی ہیں۔ صرف تم اور ہو ایسے بدھو ہو کہ کچھ نہیں سمجھتے۔ سب سے پہلے تو منشی جی نے تاڑا تھا۔ سور مجھے طعنہ دیتا تھا: میں نے خوب ہوشیاری کی' چھوٹا نکما ہے' سب کچھ بڑے کے ہاتھ میں ہے' وہی ہر چیز کا مالک ہے' ہنہ' لچھ کہیں کا۔ مجھے تو اس کی صورت سے الٹی آتی ہے۔ راکھشش کہیں کا۔ اور کیسا بھگت بنا رہتا ہے۔ میں تو مرجاؤں اس کے جنم میں بھی نہ تھوکوں میرا بدھو ہی بھلا۔"

چاندنی نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں: "مجھے نہیں چاہئے راجہ۔ میں تیری ہوں چندر اور سدا تیری رہوں گی۔ چاہے تو بیاہ کرے چاہے داسی بنا کر رکھے پر اس جنم میں تو میں تیری ہو چکی۔"

چندر کے بدن میں ایک لرزش ہوئی اور سر جھک گیا۔ بے قرار ہو کر اس نے موٹر کی رفتار اور تیز کر دی۔

ایک دم چاندنی کو ڈر لگنے لگا۔ چندر بولتا کیوں نہیں؟ بہت غصہ ہے! وہ بڑے سرکار کو دیوانہ وار چاہتا ہے۔ ان کی پوجا کرتا ہے' کہیں ان باتوں سے اس کا دماغ تو نہیں لوٹ گیا!

"چندر جی تمہیں یقین نہیں آتا؟ موٹر آہستہ چلاؤ ہماری طرف تو دیکھو چندر جی۔" اس نے چندر کا منہ اپنی طرف گھماتے ہوئے لجاجت سے کہا۔

چاندنی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں' گھگھی بندھ گئی۔ زخمی کبوتر کی طرح تڑپ کر اس نے موٹر کا دروازہ کھول کر کودنے کی کوشش کی مگر بڑے سرکار نے ایک وحشیانہ تمہ لگایا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے زور سے بھینچ ڈالا۔

چندر جب کوٹ پہن کر مفلر کانوں میں لپیٹتا گیراج میں پہنچا تو بھونچکا رہ گیا۔ موٹر غائب تھی' دوسرے گیرج میں تالا پڑا تھا۔ وہ چکرایا ہوا باہر نکلا کہ شاید چاندنی اکیلی ہی چل پڑی۔ وہ جلدی سے چابی لینے واپس جا ہی رہا تھا کہ اوشا دیدی خاک دھول میں اٹی ہوئی گرتی پڑتی پھاٹک سے داخل ہوئیں۔

"ارے اوشا دیدی! کہاں گئی تھیں آپ؟"

"وہ۔۔۔۔۔ وہ گئے!"

"کون؟"

"وہ۔۔۔۔ بڑے سرکار چاندنی کو لے کر گئے۔"

"اوہ' تب تو کوئی فکر کی بات نہیں۔ مگر۔۔۔۔۔۔"

"گدھا کہیں کا! میرا منہ کیا دیکھ رہا ہے؟ جلدی دوسری موٹر نکال۔ بھگوان جانے کیا ہونے والا ہے آج: جلدی کر چندر۔" انہوں نے اسے گیراج کی طرف گھسیٹا۔

"مگر چابی تو بڑے بھیا کے پاس ہو گی۔"

"ہے بھگوان! دوسری چابی ان کے کمرے میں ہو گی' دراز میں رہا کرتی ہے۔"

"کیا بات ہے سرکار۔" نوکر چاکر نکل کر جمع ہو گئے۔

"موٹر کی چابی۔"

"وہ تو میرے پاس ہے۔" ڈرائیور اپنی کوٹھڑی کی طرف چلا۔

"جلدی کرو۔ نہیں تم رہنے دو۔" اوشا نے چابی ڈرائیور سے لے کر چندر کو گھسیٹا' "جلدی کر چندر! ہائے رام' اگر انہیں کچھ ہو گیا تو۔۔۔۔۔"

"مگر وہ اسے لے کہاں گئے ہیں؟"

"وہ۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔" اوشا سے کچھ کہتے نہ بنا۔ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگیں۔

"اوشا دیدی۔" چندر گھبرا گیا۔

"اور تیز چلاؤ چندر۔۔۔۔"

چلا رہا ہوں دیدی۔ اتنا گھبرانے کی کیا بات ہے؟"

"تیز چل میرے بھیا۔"

"اب اور اس سے زیادہ تیز کیسے چلا سکتا ہوں؟ چکر دار راستہ ایک طرف' کھائی دوسری طرف' چٹانیں دیکھ نہیں رہی ہیں؟" مگر اوشا دیدی یہ رات کے وقت کہاں گئے ہیں بھیا؟"

"معلوم ہو جائے گا' سب معلوم ہو جائے گا۔ بس تیز چلو۔"

"اوشا دیدی۔"

"ہاں۔"

"کیا بھیا مجھ سے تو کچھ ناراض نہیں۔"

"ایں۔"

"انہیں اعتراض ہے کہ میں اور چاندنی۔"

"تم اور چاندنی!۔ ہاں ہاں وہ ناراض نہ ہوں گے تو کیا خوش ہوں گے۔ کم بخت بس کی گانٹھ اچھی بھلی جان کو روگ بن کر لگ گئی۔"

"مگر دیدی۔"

"تم ان کی جگہ ہوتے اور تمہارا چھوٹا بھائی جو جان سے بڑھ کر پیارا ہوتا' وہ ایسی نیچ حرکت کرتا تو کیا تم اس کی پیٹھ ٹھونکتے؟ اسپیڈ بڑھاؤ نا' کیا پھر پھر چل رہے ہو۔" اوشا نے دیکھا چندر حماقت میں بات کو خود ہی مروڑ رہا ہے تو فوراً کترا گئیں۔

"میں کوئی پاپ کر رہا ہوں؟"

"وہ تمہیں کتنا چاہتے ہیں۔ کیا تم پر ان کا اتنا بھی ادھیکار نہیں کہ تم غلطی کرو تو۔"

"مگر وہ مجھ سے بات کرتے تو میں جواب دیتا۔"

"وہ تیرے منہ کیوں لگیں؟"

دیدی اگر انہوں نے کچھ۔۔۔۔ دیدی وہ چاندنی کے ساتھ کوئی برا سلوک تو نہیں کریں گے؟" چندر ایک دم خوفزدہ ہو گیا۔

"چندر اگر اپنے بھیا اور چاندنی کی جان کی خیر چاہتا ہے تو باتوں میں وقت نہ ضائع کر۔ آج وہ اپنی اور اس کی جان ایک کر دیں گے۔ چڑیل کہیں کی' کیسا جادو کیا ہے کل مونہی نے!"

"آپ کیوں اسے برا بھلا کہے جا رہی ہیں؟ قصور میرا بھی تو ہے۔ مجھے بھی سزا ملنی چاہیے۔"

"تمہیں بھی ایسی سزا ملے گی کہ جنم جنم یاد کرو گے۔ تم نے گھر میں بس کا بیج بو کر آج یہ دن دکھایا ہے' تم بھی سستے نہیں چھوٹو گے' ساری عمر سر پکڑ کر روؤ گے۔

"کیا وہ اس کی جان کے درپے ہو رہے ہیں۔"

"اگر اس نے آج ان کا کہا نہ مانا تو دونوں کی جان کی خیر نہیں۔"

"مگر وہ ہوتے کون ہیں۔ میری زندگی بنانے بگاڑنے والے! میں ان کی ہر بات مان سکتا ہوں دیدی مگر چاندنی کے معاملے میں انہیں میری بات ماننا ہی ہو گی۔"

"تو کیا اس چنڈالنی کے پیچھے بھائیوں میں خون خرابہ ہو گا؟ ہائے رام چندر۔" ان کے منہ سے اصلی بات پھر بھی نہ نکلی۔ مگر اب چندر کو کچھ بتانے کی کیا ضرورت تھی؟ سرنامیا نے آج اوشا کی سن لی تھی' اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔

دور سڑک کے موڑ پر موٹر دکھائی دی۔ چندر نے ایکسیلیٹر دبایا۔ موٹر زور سے اچھلی اور فرانے بھرنے لگی۔ قریب جا کر دیکھا تو ہیڈ لائٹس جل رہی تھیں مگر موٹر خالی تھی۔

ایک ہاتھ سے موڑ اور دوسرے ہاتھ سے نوچتی کاٹتی اور جنگلی بلی کی طرح بھری ہوئی چاندنی کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ مجبوراً بڑے سرکار نے گاڑی روکی۔ جونہی رفتار کم ہوئی وہ تڑپی اور ان کے ہاتھ سے نکل کر سڑک پر جا پڑی مگر فوراً ہی اٹھ کر اندھا دھند بھاگی۔

اسے ندی کے بانسوں والے پل کی طرف بھاگتے دیکھ کر وہ بھی اس کے پیچھے جھپٹے مگر وہ کاوا کاٹ کر چٹانوں پر چڑھ گئی۔ اس کا جوتا کہیں رہا اوڑھنی کہیں۔ انہوں نے کئی بار اسے پکڑ لیا مگر وہ مچل کر چھوٹ گئی۔ اب اس کے سامنے ایک ہی صورت تھی یا تو ندی میں کود جائے یا بڑے سرکار کے آگے سرنگوں ہو جائے۔ وہ ندی کی طرف بھاگی مگر چٹان پھسلتی تھی۔ وہ واپس نیچے گر پڑی۔ اٹھتے اٹھتے اس نے مڑ کر دیکھا تو بڑے سرکار سر پر آن پہنچے تھے۔ وہ اٹھنے لگی مگر وہ پھر جھپٹے۔ ان کا ہاتھ اس کے پیر پر پڑا اور گرفت مضبوط ہو گئی۔

اس نے بہت کوشش کی مگر ان کی آہنی گرفت اور سخت ہوتی گئی اس کا پیر پکڑے وہ سسکیوں سے رو رہے تھے اور پاگلوں کی طرح چوم رہے تھے۔

"چاندنی میں تیرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ چاندنی۔ رحم کر میں دیوانہ ہو جاؤں گا چاندنی۔"

نفرت اور غصے کا ایک بے پناہ طوفان چاندنی کے دل میں اٹھا' جھک کر اس نے ایک بھاری سا پتھر اٹھایا کہ سانپ کا پھن کچل ڈالے کہ سامنے چندر چٹان پر چڑھتا دکھائی دیا۔ پتھر اس نے واپس پٹخ دیا۔ اور اس کی جان میں جان آئی۔ وہ اپنا منہ ڈھانپ کر سسکیاں بھرنے لگی۔ آخر چندر نے اس کی یہ درگت دیکھ لی۔

"اگر تو نے فیصلہ کر لیا ہے تو پھر ٹھیک ہے' مگر یاد رکھنا میرے ہاتھ چندر کے خون میں ڈوب جائیں گے۔" بڑے سرکار اپنی دھن میں بک رہے تھے' انہیں چندر کے وجود کا شبہ بھی نہ تھا۔

"سن رہے ہو چندر جی اپنے پتا سمان بھائی کی باتیں؟ لو اپنے کان سے سن لو۔"

"بھیا!" چندر نے پکارا اور تیزی سے چڑھنے لگا۔

ایک دم جیسے بڑے سرکار کے جسم کی ساری طاقت سلب ہو گئی۔ ہاتھ کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور پسینے کے فوارے چھوٹ نکلے وہ پٹے ہوئے کتے کی طرح ایک طرف دبک گئے۔

مگر پل بھر بعد جب انہوں نے سر اٹھایا تو وہ بھوت جو گھڑی بھر پہلے درندوں کی طرح دانت نکوس رہا تھا غائب تھا۔ اس کی جگہ وہی دیوتا سمان بڑا بھائی واپس لوٹ آیا۔ وہی آنکھوں میں نرمی اور سنجیدگی اور وہی لہجے کی نرمی۔ وہی بڑے سرکار جو ایک چھوٹے انسان تھے۔ مگر عظیم الشان ہو کر تھے۔

"رحم کر چاندنی' میرے اوپر دیا کر۔ تجھے جائیداد چاہئے تو وہ تو لے سکتی ہے۔ میرا اور بہو کا حصہ بھی لے لے۔ مگر بھگوان کے لیے تو چندر کو چھوڑ دے۔ میں نے اپنی ماں کو مرتے سمے وچن دیا تھا کہ اگر چندر کی رکشا کرتے میری جان بھی چلی گئی میں سمجھوں گا کہ میرا جیون سپھل ہو گیا۔"

چاندنی کا منہ فق ہو گیا' حلق میں کانٹے پڑنے لگے اور زبان تالو سے چمٹ گئی۔ وہ پاگلوں کی طرح آنکھیں پھاڑے اس بہروپیے کو تکتی رہ گئی۔

"بھیا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" چندر نادم ہو گیا۔

"میں چاندنی سے تیرے جیون کی بھیک مانگ رہا ہوں۔ بھیا تو کتنا ننھا سا تھا—— ماں نے تیرا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر کہا تھا۔ "مجھے وچن دو کہ چندر کی رکشا کرو گے۔" ماں کی آتما اشانت ہو جائے گی۔ تب میں جی کر کیا کروں گا؟" بڑے سرکار نے بڑے ڈرامائی انداز میں کہا۔

ایک دم چاندنی نے اپنا پیر گھسیٹ لیا اور دوڑ کر چندر کا گریبان تھام لیا۔

"یہ پاکھنڈی ہے چندر جی' اس کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ سب ناٹک ہے' سب جھوٹ—— ابھی ابھی یہ تمہاری جان لینے کی دھمکی دے رہا تھا۔ یہ لچا ہے چندر جی—— پاپی مجھے——"

"چاندنی پاگل ہو گئی ہے؟" چندر نے اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ڈر کر کہا۔ وہ بڑے بھیا کی شان میں اتنے بھیانک الفاظ سننے کا عادی نہ تھا۔

"میں پاگل ہوں اور تو بڑا ہوشیار ہے! چندر تو نرا کاٹھ کا الو ہے——"

"بکواس نہ کر چاندنی ورنہ اتنی زور کا طمانچہ ماروں گا کہ منہ پھر جائے گا—— جو منہ میں آتا ہے بکے چلی جاتی ہے۔"

چاندنی نے ایک بار بڑے سرکار کے دیوتا سمان روپ کو دیکھا اور پھر بھولے بھالے چندر پر نظر ڈالی اور نظر ڈالی اور بے تحاشا قہقہے لگانے لگی۔

"میں پاگل ہوں اور تم پاگل نہیں۔ میں پاپن ہوں اور تم لوگ دیوتا ہو۔ میرے کارن بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے' میرے کارن سورج دلش کے ماتھے کو کلنک لگ رہا ہے۔" چاندنی نے سسکی بھری۔ پو پھٹ رہی تھی' سورج کے طلوع ہونے کا سمے ہو رہا تھا' دور گھاٹی کے سرے پر چاند کا مکھڑا زرد ہونے لگا تھا' چاندنی دم توڑ رہی تھی۔

"چاندنی نے جھک کر چندر کے چرنوں کی دھول ماتگ کو لگائی۔" ایک بار جی بھر کے اس کے مکھڑے کو تکتی رہی۔ پھر پلٹ کر ندی کی طرف بھاگی اوشا رانی نے اسے روکنا چاہا' پل پر چوکیدار نے چلا کر کہا پل پر نہ جاؤ' بالکل گلا ہوا ہے مگر وہ تیر کی طرح نکل گئی۔ پل ڈگر مگر ہلنے لگا۔ بانس چر چرا کر پانی میں گرے۔

دیوانوں کی طرح بڑے سرکار اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگے۔

"اسے روکو۔۔۔۔۔" وہ اسے موت کے منہ میں دیکھ کر بدحواس ہو گئے۔

"کیا کرتے ہیں سرکار! درجنوں کا بوجھ نہیں سہار سکے گا۔ بھگوان کے لیے رک جایئے۔" پہرے دار نے ان کی کمر میں ہاتھ ڈالنا چاہا' چندر نے انہیں پکڑنا چاہا مگر ان دیو زاد کی طاقت سمائی ہوئی تھی۔ وہ سب کو جھٹک کر پل پر پہنچ گئے۔

"لوٹ آ چاندنی۔ یہ کیا کر رہی ہے؟" وہ چلائے۔ ایک بانس پیر کے نیچے سے چر آیا اور چاندنی کا پیر گھٹنے تک اتر گیا۔ نکالنے کی کوشش میں تڑا تڑ بانس چٹخنے لگے۔ بڑے سرکار کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر اس نے بڑی مشکل سے پیر کھینچا اور ایک زقند میں دوسری طرف پہنچ گئی۔ ابھی سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ چیخا اور چنگھاڑتا بانسوں کا بوڑھا پل مع بڑے سرکار کے تیز بہتی ہوئی ندی میں گر پڑا۔

"بڑے بھیا۔ چندر کو معلوم تھا انہیں تیرنا بھی نہیں آتا۔ ندی بڑے زور شور سے پل کے لاشے کو مع بڑے سرکار کے لے کر چل دی۔۔۔۔ باوجود پہرے دار کے منع کرنے کے چندر نے کوٹ اتار کر دور پھینکا اور پانی میں کود پڑا۔

ہفتہ بھر تک بڑے سرکار موت سے لڑتے رہے۔ چندر نے اپنی جان پر کھیل انہیں بچا ہی لیا۔ ان کے سر اور ماتھے میں کئی ٹانکے آئے تھے۔ بخار اب ذرا کم ہونے لگا۔ گو ڈاکٹروں نے کہہ دیا تھا کہ اب کوئی خطرہ نہیں مگر اوشا رانی ایک پل کے لیے بھی ان کی پٹی سے الگ نہ ہوئی۔ بہت نیند آتی تو گھڑی بھر کے لیے وہیں

سر لٹکا کر سو جاتیں۔ بڑی مشکل سے چندر اور بہو انہیں کچھ کھلا پلا دیتے۔ وہ کمرے میں سوائے ڈاکٹروں کے اور کسی کو نہیں آنے دیتی تھیں۔ گھڑی بھر کو کوئی آتا اور جونہی بڑے سرکار بے چین ہو کر بڑبڑانا شروع کرتے وہ سب کو باہر نکال دیتیں ابھی تک سوائے ان کے اور چاندنی کے کسی کو اصلیت کی خبر نہ تھی۔ منشی جی کو وہ کوئی اہمیت نہ دیتی تھیں۔ چاندنی سے اس نے کہہ دیا تھا کہ کسی سے کچھ کہا تو اچھا نہ ہو گا۔ انہیں اس وقت سوائے بڑے سرکار کی زندگی کے اور کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔

چاندنی خود اس بری طرح سہمی ہوئی تھی کہ اس کی عقل گم ہو چکی تھی چندر اور بہو سے بھی منہ چھپائے پڑی تھی۔

جب بڑے سرکار کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو اشارے کنائے سے انہوں نے چاندنی کو سمجھانا شروع کیا کہ اب سارے احسانوں کا بدلہ چکانے کا وقت آ گیا ہے۔ مگر چاندنی اوشا رانی جیسی باہمت نہ تھی ہزار نے اسے سورگ کے سبز باغ دکھائے' دوسرے جنم کے آنند بھرے جیون کا بہلاوا دیا' بلی دان پر لکچر جھاڑے مگر چاندنی مرنے کو تیار نہ تھی۔

"میں یہاں سے کہیں دور چلی جاؤں گی۔"

"چندر تمہارے پیچھے جائے گا۔"

"کیا موت کے سوا میرے بھاگ میں اور کچھ نہیں؟"

"یہ موت نہیں پگلی! تب تو امر ہو جائے گی۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا۔"

تو کیا پھر بھی چندر تجھ سے پیار کرتا رہے گا؟ وہ اپنے پیارے بھائی کی ہتیا کرنے والی کو چتی بنا سکے گا؟"

"نہیں۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔"

"اگر اس کے بھیا کی جان بچ گئی تو وہ ساری عمر تیری یاد میں تڑپے گا۔ تیری پوجا کرے گا۔"

"تب تو چندر مجھ سے پیار کرے گا؟" چاندنی نے سسک کر کہا۔

"ہاں۔"

"وہ میری پوجا کرے گا۔ میری یاد میں بے چین ہو کر تڑپے اٹھے گا۔"

"ہاں۔"

"تب میں مر جاؤں گی۔"

"میں جانتی ہوں چاندنی تو معمولی نیچ لڑکی نہیں' تو دیوی کا اوتار ہے۔"

"ہاں میں دیوی کا اوتار ہوں مگر دیدی---- پل پر مجھے دریا سے بہت ڈر لگا تھا۔ میں مرنے گئی تھی اور نہ مر سکی۔ چاتو سے بہت درد ہو گا اور پھر مجھے تو آتا بھی نہیں چاتو گھونپنا۔ دیدی۔"

"ہاں-----"

"تم گھونپ دو میرے کلیجے میں چاتو' یا چندر جی سے کہو وہی میرا گلا گھونٹ دیں" چاندنی رو پڑی۔

"کسی کو مارنا پاپ ہے۔" اوشا کو اپنی جان بھی تو پیاری تھی۔

"آتما ہتیا بھی تو پاپ ہے۔"

"آتما ہتیا پاپ ہے۔ بلی دان تو مہا پن ہے چاندنی۔ میرے پاس ایسا امرت ہے جسے پی کر مزے کی نیند آ جاتی ہے۔"

اور پھر؟

"پھر نیند کبھی نہیں ٹوٹتی۔"

"تمہیں کس نے دیا یہ امرت دیدی؟"

"سرناسیا نے۔ ماتا جی کے بعد میرا بہت جی گھبرایا' میں نے سوچا اس اکیلے پن سے تو اچھا ہے میں ان کے پاس چلی جاؤں' سارے دکھ دور ہو جائیں گے۔" اوشا رانی نے بات بنائی۔

"پھر تم نے امرت نہیں پیا؟"

"نہیں۔ اسی رات ماں نے سپنے میں آ کر درشن دیے اور بولیں۔ میرے بڑے سرکار کی سیوا تیرا دھرم ہے۔ تیرا جیون مرن ان ہی کے چرنوں میں ہے۔"

"اچھا دیدی ایک بات بتاؤ گی؟"

"پوچھو۔"

"جو میں یہ امرت پی لوں تو اپنی ماں کے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

"مر کر تو سب ہی مل جائیں گے۔"

"تو لاؤ دیدی وہ امرت مجھے دے دو۔ میں اپنی ماں کے پاس پہنچ جاؤں گی' ان کی گود میں سر ڈال کر آنکھیں بند کر لوں گی' پھر ان سے پوچھوں گی۔ ماں' میں نے کون سا پاپ کیا تھا جو تو مجھے کوڑے پر پھینک کر چل دی؟ مجھے کلیجے سے لگا لے۔ مگر دیدی میں اسے پہچانوں گی کیسے؟ میں نے تو اسے دیکھا بھی نہیں۔"

"مرنے کے بعد سب پہچانے جائیں گے۔" اوشا نے بٹوے سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی۔ "پر کون جانے شاید میرے ماتا پتا زندہ ہوں' پھر میں اکیلی کہاں بھٹکتی پھروں گی۔"

"زندہ ہوتے تو تجھے یوں پھینک کر کیوں چلے جاتے؟"

"نہیں وہ مجھے پھینک کر نہیں گئے' ضرور میں کھو گئی ہوں گی کوئی چور لٹیرا اٹھا کے مجھے وہاں ڈال گیا ہو گا اور انہوں نے رو رو کر برا حال کر لیا ہو گا۔ کون جانے وہ اب بھی ڈھونڈ رہے ہوں مجھے دیدی رانی کیا میرے ماتا پتا کا کھوج نہیں مل سکتا؟ اور شاید میرے بھائی بھی ہوں اور مجھے دنیا بھر میں ڈھونڈتے پھر رہے ہوں' ہائے دیدی میرا دل کہتا ہے کہیں میرا ایک بھیا ضرور ہو گا۔ ہائے رام اسے پتہ بھی نہیں کہ اس کی ابھاگن بہن کہیں پڑی اپنے نصیب کو رو رہی ہے۔" چاندنی کی ہچکی بندھ گئی اپنے اکیلے پن کا احساس بری طرح ڈسنے لگا۔

اوشا اس کی بکواس سے اکتا کر چلی گئی۔ وہ شیشی کو مٹھی میں بھینچے چپ چاپ روتی رہی۔ چندر کی آواز سن کر اس کا کلیجہ اچھل کر منہ کو آ گیا۔ وہ اسے ڈھونڈ رہا تھا۔ اس کی پکار نے پھر جینے کی امنگ کو جگا دیا ہائے وہ بیتے ہوئے پیار کے دن موت سے دور گنگناتی گاتی زندگی کے دن! جو خواب ہو کر مٹ گئے۔ چندر اسے پکار کر خاموش چلا گیا۔ وہ گیلری کے کونے میں خاموش دبک گئی۔ سارا گھر چین کی نیند سو رہا تھا' وہ اکیلی جاگ رہی تھی۔

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ایک انسان اتنا دکھ جھیلتا ہے اور کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی!

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ بڑے سرکار کے ڈراؤنے حلیے کو دیکھ کر خوف سے چیخیں مارنے لگتی مگر اس وقت جب اس نے انہیں گیلری کی طرف آتے دیکھا تو نہ اس کا خوف سے دل دھڑکا نہ چیخ نکلی۔ قریب آ کر وہ مجرموں کی طرح آنکھیں نیچے کیے ڈھیلے ہاتھ چھوڑے کھڑے رہے۔ ایک دم چاندنی کو اپنے مرتبے کا احساس ہوا۔ وہ بہت بلند ہے' قربانی دینے جا رہی ہے۔ آج اس کی مٹھی میں امرت ہے۔ اب کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ نہ بڑے سرکار کا پیار' نہ چندر کی نظرت اسے کسی سے واسطہ نہیں' کسی سے کچھ لینا دینا نہیں۔

"آپ مجھے چاہتے ہیں؟" اس نے دلیری سے تن کر کہا۔

"ہاں!" بڑے سرکار کی آواز مرگھٹ میں شائیں شائیں کرتی ہوئی ہوا کی طرح

سرسرائی' ان کا سارا جسم لرزنے لگا۔ آنکھیں بند کیے دیوار سے ٹک گئے۔

"آپ مجھ سے وعدہ کریں گے۔" اس نے دانت پیسے۔

"ہاں۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"تو کر لیجیے۔" چاندنی کی آواز سپاٹ اور بے جان تھی۔

"تم--- تم----" بڑے سرکار وحشت سے گھبرا کر اپنا گلا دونوں ہاتھوں سے نوچنے لگے۔

"ہاں میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"انہوں نے ڈرتے ڈرتے اس کے شانے کو چھوا' شاید یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ خواب ہے یا حقیقت۔ کندھے سے ان کا ہاتھ ٹھٹکتا ہوا اس کے بھیگے ہوئے رخسار پر پہنچا۔ وہ ایسے جھٹکا کھا کر پیچھے ہٹے جیسے انہوں نے انگاروں پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

"تم---- تم---- میرا کھیل بنا رہی ہو۔" انہوں نے سہم کر چاندنی کو دیکھا۔ وہ چاندنی جو ہمیشہ انہیں دیکھ کر دھواں دھواں ہو جاتی تھی بڑے وقار سے انہیں گھورتی رہی۔ مٹھی کھول کر اس نے امرت کی شیشی کو پیار سے دیکھا اور مسکرا پڑی۔ بڑے سرکار حیرت سے اسے تکتے رہے' پھر ایک دم اسے کھینچ کر اس کی آنکھوں میں اپنے سوال کا جواب تلاش کرنے لگے مگر چاندنی کی آنکھوں میں انہیں کوئی راستہ نہ ملا' نڈھال ہو کر وہ گرنے لگے۔

موت قریب ہو تو پھر دل کا میل سب دھل جاتا ہے' ان کی یہ دشا دیکھ کر چاندنی کا جی بھر آیا۔ بڑے سرکار ڈھونگی نہ تھے تو پھر کیا تھے؟ ایک عجیب قسم کی ماتا سے لبریز ہو کر اس کا جی بیٹھنے لگا۔ اس نے اپنے دونوں سرد ہاتھ ان کی سلگتی ہوئی کنپٹیوں پر رکھ دیے اور سر کلیجے سے لگا لیا۔ ان کے جلتے ہوئے ماتھے کے لمس سے اس کے ہونٹ جھلس گئے۔

"چاندنی۔" چندر احمقوں کی طرح اس نرالے ڈرامے کو دیکھ کر آنکھیں جھپکا رہا تھا۔ چاندنی نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا مگر بڑے سرکار تڑپ کر دور ہٹ گئے۔ چندر کی آنکھوں میں انہوں نے اپنی بڑائی اور پاک دامنی کا جنازہ دیکھ کر آنکھیں شرم سے جھکا لیں اور خشک پتے کی طرح لرزنے لگے۔

"چندر جی ہمارا دواہ ہو رہا ہے۔" چاندنی جان پر کھیل کر چندر کا مذاق اڑانے لگی۔ ایک ہی زقند میں وہ ناسمجھ بچی سے بوڑھی ہو گئی۔

"تم نے دولہا کو دیکھا؟"

"تو پاگل تو نہیں ہو گئی ہے؟" چندر نے اسے کندے سے پکڑ کر ہلا ڈالا مگر وہ تڑپ کر اس کی گرفت سے نکل گئی۔

"مجھے ہاتھ نہ لگاؤ چندر جی' نہیں تو یہ ریت کا محل ایک آن میں ڈھے پڑے گا۔ میری طرف ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟ میں بھسم ہو جاؤں گی۔" اس نے لجاجت سے کہا۔ "کیوں کھنڈت ڈال رہے ہو۔"

"اسے کیا ہو گیا ہے؟ بھیا آپ۔"

"ہم---- ہم سورج ہیں۔" بڑے سرکار جھومنے لگے' "اور یہ---- یہ چاندنی ہے---- دیکھا۔ دیکھا تم نے؟ دنیا کتنی جھوٹی ہے کہ سورج اور چاندنی کا کبھی ملن نہیں ہو سکتا! یہ سب بکواس ہے۔ کیونکہ---- کیونکہ اصل میں ہمارا نام سورج نہیں چاند--- چاند ہے۔"

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں بھیا۔"

"ہماری طبیعت بالکل ٹھیک ہے کیونکہ ہم۔ ہمارا نام سورج نہیں۔"

"اوشا رانی چیل کی طرح چلاتی زینے پر سے اتریں۔"

"نروئی' بے شرم' تو اس دو پیسے کی چھوکری کے کارن اپنے بڑے بھائی کا اپمان کر رہا ہے۔ دیکھ تو ان کی کیا دشا ہو گئی ہے۔ دیکھنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور تو ان کی جان لینے پر تلا ہوا ہے۔"

"دیدی۔"

"لر چپ رہ۔ تیرے لیے انہوں نے کیا نہیں کیا؟ اپنی جوانی خاک میں ملا دی کہ جب تک چندر اور ہو اپنے پیروں پر نہ کھڑے ہوں۔ وہ کیسے سکھ کی نیند سو سکتے ہیں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو تجھ جیسے نکمے کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر باہر پھینکتا مگر انہوں نے کبھی تجھے ٹیڑھی آنکھ سے نہ دیکھا' کبھی اونچی آواز سے نہ بولے اور تو ہے کہ سر پر چڑھا چلا آتا ہے۔" انہوں نے بڑے سرکار کو سارا دے کر آرام کرسی پر بٹھا دیا۔

"میں نے---- میں نے کیا کیا؟ چندر تو ایسا معلوم ہوا ان سب کے ساتھ اب وہ بھی پاگل ہو جائے گا۔

"تو نے کیا نہیں کیا؟ تو ہی اس بلا کو گھر میں لایا۔ بول لایا کہ نہیں؟" اوشا نے سوچا چندر کو دبانے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے بولنے نہ دیا جائے۔ "تیری ضد پر اس ناگن کو پالا پوسا' کسی چیز کی کمی رہی اسے؟ گھر کی بیٹی سے بھی زیادہ ٹھاٹ باٹ

ٹکرائے' اور آج یہ بے شرم اس احسان کا بدلہ دے رہی ہے کہ بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے مگر کان کھول کر سن لو۔ میرے جیتے جی اس پریوار کا سرناش نہ ہونے پائے گا۔ مجھے اپنے خون کی آہوتی دینا پڑی تو اس سے بھی انکار نہ ہو گا۔ میں نے بھی اس گھر کا نمک کھایا ہے۔ نمک حرامی نہ کروں گی نہ کرنے دوں گی۔"

"افوہ! دیدی بات تو سنو۔ میں ابھی یہاں آیا تو دیکھا۔"

"دور ہو' مجھے دیدی نہ کہہ۔ جسے اپنے دیوتا سمان بچارے ناچار بھائی پر دیا نہ آئے وہ مجھ بے سہارا لاوارث کا کیا آدر کرے گا۔" اوشا رو پڑیں۔

"ساری دنیا کو ان سے ہی شکایت ہے۔ تو چاندنی سے پوچھ۔"

"مجھے کسی سے کچھ نہیں پوچھنا۔" چندر نے نفرت سے کہا۔

"چندر جی۔" چاندنی نے اسے کبھی اتنا گمبھیر نہیں دیکھا تھا' تڑپ گئی۔ چندر جاتے جاتے رک گیا۔

اوشا نے خونی نظروں سے چاندنی کو گھورا اور اس کی آنکھوں میں زندگی دم بھر کے لیے جاگ کر پھر دم توڑنے لگی' اس نے تھک کر گردن ایک طرف ڈال دی۔

"ہاں چندر جی مجھ سے پوچھو--- مگر تم ابھی بہت ننھے ہو' تم نے پریم کی جوالا میں بھسم ہو کر مسکرانا نہیں سیکھا' تم کیا سمجھو گے؟"

"تم---- بڑے بھیا-----" اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"ہاں' امرت سے کسے پیار نہیں؟" اس نے اپنی مٹھی کو کھول کر ننھی سی شیشی کو چوما۔

"تو اتنے دن مجھے کیوں دھوکے میں رکھا؟"

"جیون ایک دھوکا ہی تو ہے۔ بس میٹھی نیند کے بعد سب مل جائیں گے۔ تب میں سو جاؤں گی۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"اور مجھے بیوقوف بناتی رہی کہ ان سے تجھے ڈر لگتا ہے' وہ تجھ سے نفرت کرتے ہیں' مار ڈالنا چاہتے ہیں۔" چندر کی زبان میں زہر بھر گیا۔

نفرت اور پیار کا بھید کون جان سکتا ہے؟ اور نہ بھاگ میں جو لکھا ہے اسے کوئی مٹا سکتا ہے۔ یہی ہونا تھا' ہونی پر آج تک کسی کا بس چلا ہے؟"

"ہونی اور نصیب کا سہارا نہ لو' صاف کہہ دو کہ رانی بننے کا ارمان تھا سو پورا ہو گیا۔ میں----- میں بدھو ہوں نا----- چھچھورا---- سب سے ڈر جاتا ہوں۔ ہنہ! تو کیا سمجھتی ہے یہاں کوئی تیرے لیے مر جائے گا؟" چندر کی رگوں میں

جوانی کا گرم اور خوددار خون سنسنا رہا تھا۔

"ٹھیک کہتے ہو' رانی بننا چاہتی تھی سو بھور ہونے سے پہلے ہی بن جاؤں گی' ہاں تم بدھو بھی ہو اور ڈرپوک بھی۔ بڑے سرکار کے سامنے چوہے کی طرح دبک جاتے ہو۔ ان کے چرنوں کی دھول بننے یوگ بھی نہیں اور میں کوئی پاگل ہوں جو سوریہ دیوتا کو ٹھکرا کر ان کی چھایا پر جگمگانے والے چندر ماں سے ماتھا پھوڑوں گی--- یہ---- یہ دیوتا ہیں' مہاپرش ہیں اور تم؟ تم کچھ بھی نہیں۔" اپنے دکھ کا بدلا وہ چندر سے لینے لگی۔

"چڑیل بھیا کا سہارا پا کر تو سر پر چڑھتی چلی جا رہی ہے۔ ٹھیک ہی کہتی تھی ماسی۔ موری کی اینٹ سے ٹھوکر لگی تو سارا شریر گندہ ہو جائے گا۔ تیرا بیاہ ہو رہا ہے' چل جا چولہے میں۔" چندر جانے لگا۔

"چندر مجھے--- مجھے جاتے سے آشیرواد تو دے۔"

"لے آشیرواد!" چندر نے مڑ کر ایسا زور کا تھپڑ رسید کیا کہ سوکھی ماری چاندنی دیوار سے جا کر ٹکرائی۔

"ہائے نرولی۔" اوشا کا دل پتھر کا نہ تھا۔ بڑے سرکار جو نیم بیہوش پڑے تھے تڑپ کر اٹھ بیٹھے مگر اوشا نے انہیں روک دیا۔

"رہنے دو دیدی' اس نے اچھا کیا جو مجھے مارا۔ اب میری یاد میں تڑپ تڑپ کے روئے گا تب پتہ چلے گا۔ چاندنی سسکیاں بھر کر رونے لگی۔

"میں تجھے یاد کروں گا کمینی! میں تو تیری صورت پر تھوکوں گا بھی نہیں۔"

"ایسے بول منہ سے نہ نکالو چندر جی' کہیں بعد میں پچھتاوا آئے اور سر پکڑ کر روؤ۔" اوشا ندامت سے بے قرار ہو گئیں۔

"اگر غصے میں کچھ کر بیٹھی تو اس کا خون تمہاری گردن پر ہو گا۔" اوشا نے ساتھ ساتھ اپنا گناہ بھی اس کے سر منڈھنے کی ترکیب نکال لی۔ صبح چاندنی کی لاش دیکھ کر سب یہی سمجھیں گے۔ چندر سے لڑ آئی ہوئی تھی' غصے میں کچھ کھا کر مر گئی۔

"سر پکڑ کر رونے کے لیے تو تم پیدا ہوئی ہو اوشا رانی تمہیں بہن کہہ کر میں اس پوتر شبد کا اپمان نہیں کرنا چاہتا۔ تم عورت نہیں سماج کے اصولوں کی کچلی ہوئی لاش ہو۔ تمہیں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ پتی کی سیوا تمہارا دھرم ہے' مگر یہ تو تمہارے پتی بھی نہیں! ویسے بچپن سے انہیں اپنا پتی مانتی آئی ہو۔"

"چندر۔"

"تم بھارت ورش کی پتری جسے ایک بار پتی مان لیا اسی کے ساتھ ستی ہو جاؤ گی۔ چاہے وہ تمہاری بوٹیاں کر کے کتوں کو کھلا دے تم اس کے چرن دھو دھو کر پیتی رہو گی۔ تم عورت نہیں لونڈی ہو۔" وہ مڑ کر جانے لگا۔

"ٹھیرو۔۔۔۔" بڑے سرکار کی آواز پر بچپن سے اس نے چونک پڑنا سیکھا تھا' بے ساختہ ٹھٹک گیا۔

"کرن سے معافی مانگو۔" انہوں نے سختی سے کہا۔

"کرن؟"

"ہاں' یہ چاندنی نہیں' آج سے اس کا نام سوریہ کرن ہے۔"

"آہاہا۔۔۔ بہت اچھے۔

"بدتمیزی نہ کرو۔ معافی مانگو' ورنہ۔۔۔۔"

"ورنہ۔۔۔۔۔"

"تمہیں یہ گھر چھوڑ کر جانا ہو گا۔"

"آپ سمجھتے ہیں مجھے اس گھر میں رہنے کا شوق ہے؟ مگر یہ نہ سمجھئے گا میں کسی سے ڈر کے جا رہا ہوں' مجھے اس گھر سے وحشت ہو رہی ہے۔"

"کرن' چندر کو معاف کر دو' وہ نادان ہے۔"

"چندر نادان ہے' آپ گیانی ہیں!"

"چاندنی جاؤ اپنے کمرے میں' تمہیں آرام کرنا چاہیے۔" اوشا نے کہا۔

"ہاں۔۔۔۔ اوشا دیدی بھی گیانی ہیں' انہیں سب معلوم ہے کہ کیا کرنا چاہیے' کس وقت جاگنا چاہیے' کس کو جینا چاہیے اور کس کو مر جانا چاہیے" وہ بڑبڑاتی جانے لگی۔

بڑے سرکار نے ندیدوں کی طرح مدہوش چاندنی کو گھورا۔ اس کا دوپٹہ ڈھلکا ہوا تھا۔ ہوا کے ایک جھونکے سے کپڑے جسم سے چپک گئے' وہ تڑپ کر اس کی طرف لپکے۔

"نہیں۔۔۔۔" اس کا پرانا خوف جاگ اٹھا۔ اوشا کی دبی ہوئی سسکاری سن کر اس کا جی چاہا ان کا منہ نوچ لے۔ وہ اس کمینے جانور پر کیوں اس بری طرح لٹو ہیں۔ "شادی کا انتظام کیجئے۔ سب تیار ہو جانا چاہیے کوئی کسر نہ رہ جائے۔" اس نے جاتے جاتے کہا۔

وہ کمرے میں پہنچی تو ہمو اور چندر باتیں کرتے ہوئے گیلری سے گزر رہے تھے۔

"سنو تو چھٹ بھیا۔" ہمو اس کے پیچھے بھاگی جا رہی تھی۔

"اب ہمو بھی اس کے منہ پر تھوک دے گی۔" وہ خاموش کھڑکی کے پاس جا کر دور سنگلاخ چٹانوں کو تکنے لگی۔ ہمو مرے مرے قدموں سے واپس آئی اور خاموش اسے تکنے لگی۔ ہمو جو اس کی گویائی تھی' اس کی ہمراز تھی مگر چندر کو دیوانہ وار چاہتی تھی۔

"مگر ہمو کچھ نہ بول سکی' چپ چاپ الماری کھول کر کپڑے نکال کر سوٹ کیس میں ڈالنے لگی۔"

ایک بار تو جی چاہا ہمو کے گلے میں بانہیں ڈال کر سب کچھ بتا دے ورنہ وہ مر گئی تو اصل وجہ اسے اور چندر کو کون بتائے گا؟ پھر چندر اس کی پوجا بھی نہ کرے گا' اسے بھول جائے گا' وہاں موت وادی میں اتنا بھی سہارا نہ ہو گا۔

اس نے شیشی کو دیکھا اور بٹوے میں رکھ دیا۔ نہیں وہ ایسے نہیں مر سکتی۔ وہ دیر تک سر جھکائے کاغذ پر کچھ لکھتی رہی اور اسے آنسوؤں سے مٹاتی رہی۔

"چندر سب ٹھیک ہو جائے گا' وقت آنے پر سب معلوم ہو جائے گا۔" اوشا نے اس کے سوٹ کیس میں کپڑے رکھتے ہوئے کہا۔

"زندگی میں اب ٹھیک ہونے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا۔"

"بہت جلد تم لوگ پھر لوٹ آؤ گے۔"

"میں مر کر بھی یہاں واپس نہیں آؤں گا۔"

"کہیں بھائی ایک دوسرے کو سدا کے لیے چھوڑ سکتے ہیں؟ تم نہیں جانتے اس وقت وہ کتنے بیمار ہیں۔ میں جو کہتی ہوں کہ۔"

"آپ جو کہتی ہیں وہ نہ کبھی میری سمجھ میں آیا اور نہ آئے۔ آپ انسان نہیں پتھر ہیں۔ وہ آپ کی اتنی ناقدری کرتے ہیں اور آپ ہیں کہ مری جاتی ہیں اور آج تو آپ نے حد کر دی' ہنسی خوشی انہیں دوسری عورت کو دان دے رہی ہیں۔"

"میں نے انہیں کسی کو نہیں دیا اور نہ میرے جیتے جی کوئی انہیں مجھ سے چھین سکتا ہے۔ اس بیماری میں میں انہیں یم دوت سے چھین کر لائی ہوں مگر تم کو کیسے بتاؤں' خیر۔۔۔ ایک دن سب کچھ سامنے آ جائے گا۔۔۔ اسی میں اپنی اور

خاندان کی بھلائی ہے۔ لو یہ چیک' چاچا جی سے کہنا کیش کرا دیں گے' میں موٹر نکلواتی ہوں۔ اور دیکھو' ہو کا جی نہ چھوٹا ہو۔ یوں تمہیں پریشان دیکھے گی تو چھپ چھپ کر روئے گی۔"

"دیدی میں کتنا برا ہوں' تمہیں کیسے کڑے بول سنا ڈالے۔" معاف کر سکو گی!

چندر نے دیدی کے پیر تھام لیے۔

"ارے کیا کرتا ہے بھیا! دیوانہ ہوا ہے! میں تیری بات کا برا کیسے منا سکتی ہوں۔"

"ماں تو بچپن ہی میں روٹھ گیں' آپ نے ہی ماں کے سکھ دیے خیال تھا ایک دن آپ اور بھیا---- دیدی' میرا خون کھول رہا ہے کیا کروں کچھ بس نہیں چلتا' تم اب یہاں کیا کرو گی؟"

"یہ میرا گھر ہے۔" اوشا مسکرائیں۔

"میرا کہا مانیئے' اب یہاں آپ کی گزر نہ ہو گی' ہمارے ساتھ چلیے' وہاں مزے سے رہیں گے۔"

"میری تو اب آر تھی ہی اس گھر سے نکلے گی۔ بھیا' تم میری اوپر وشواش رکھو۔ مگر دیکھو ایسی ویسی خبر سن کر جی کو بے قابو نہ کر لینا۔"

"کیسی خبر دیدی؟" چندر سہم گیا۔

"شادی کی۔" اوشا ہنسیں۔

"ارے ہائے' مجھے تو اس کی صورت سے نفرت آ رہی ہے۔"

"نہیں چندر----" وہ رک گیں۔

"کیا؟"

"کچھ نہیں---- میں ناشتہ بھجواتی ہوں۔"

اوشا نے ہو کو پیار کیا۔ چندر کا جی بہلانے کی ہدایت کی اور دونوں کو رخصت کیا۔

"ہو---- ہو----" چاندنی ہانپتی کانپتی سڑک تک بھاگ گئی۔ ہو رانی جا رہی ہے۔ موٹر رکی تو اس نے کھڑکی سے جھانک کر کہا اور ڈرتے ڈرتے اس کے گال پر ہاتھ رکھ دیا۔ ہو کے آنسو بہہ نکلے اور اس سے منہ پھیر لیا۔ چندر نے موٹر چلانے کو کہا۔

"ہو---- ہو جی ایک دفعہ میری طرف تو دیکھ لو--- پھر نہ ملوں گی۔ ہو

----" وہ موٹر کے ساتھ بھاگنے لگی۔ ٹھوکر لگی اور وہ کنکریلی سڑک پر گر گئی۔

موی موتیوں کی مالا جو چندر نے اسے جنم دن پر ہار کے بجائے دی تھی ٹوٹ کر بکھر گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کنکروں کو گھورنے لگی۔ ایک دم کنکر پگھل کر موتی بن گئے اور اس کا سر نیچے ٹک گیا۔

حویلی میں سناٹا چھایا ہوا تھا' جیسے کوئی موت ہو گئی ہو۔ چاندنی اپنے کمرے میں خاموش بیٹھی رہتی۔ اب تو اسے کسی سے ڈر بھی نہیں لگتا تھا۔ ہو کی چیزیں بکھری دیکھ دیکھ کر کلیجہ کٹنے لگتا' چندر کے کمرے میں جاتے وحشت ہوتی' گئی گزری باتیں یاد آ جاتیں۔

نہیں وہ آسانی سے نہیں مر سکتی' بڑی دھوم دھام سے مرے گی۔ بس وہ صرف اس لیے زندہ تھی کہ بڑے سرکار کی اصلیت دنیا پر کھل جائے۔ اس کے علاوہ ایک ننھی سی امید کی کرن اب بھی جگمگا رہی تھی۔ وہ خط جو اس نے چندر کے کوٹ میں ڈال دیا تھا اسے پڑھ کر شاید ہو اس پر اعتبار کرے' تب وہ بڑی خوشی سے اس کے ہاتھوں میں دم توڑ دے گی۔

"اوشا نے اسے اپنا وچن یاد دلایا تو وہ چڑھ گئی۔"

"دیدی میں نے مرنے کا کھیل کبھی نہیں کھیلا۔ مجھے بار بار نہ ٹوکو' مجھے آپ ہی مرنے دو۔ ویسے تمہارا جی چاہے تو میرا گلا گھونٹ دو یا زبردستی وش پلا دو۔"

اوشا کو فکر مند دیکھ کر ہنس پڑی۔

"تم میرے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتیں کیونکہ تمہارے ہاتھ تو مہندی رچانے کے لیے بنے ہیں۔ میرے مرنے کے بعد جب سب مجھے بھول جائیں گے تو بڑے سرکار سے تمہارا بیاہ ہو گا۔ ویسے تم چنتت رہو' میرے بھاگ میں تو موت ہی لکھی ہے۔"

انہوں نے ذرا زیادہ زور دیا تو وہ سچ مچ انہیں پھٹکار سنا بیٹھی۔

"میں بڑے سرکار سے کہہ دوں گی۔" اس نے دھمکی دی۔

اور اوشا رانی کو اس کی خوشامد میں خاموش رہنا پڑا۔ مگر وہ جان جان کر اسے موت کی خوبیاں اور قربانی کی بڑائیاں سناتیں' دکھ بھرے بھجن گا کر اس کا اور دم گھونٹتیں کہ بعض وقت وہ چندر کا انتظار کیے بنا مرنے پر تیار ہو جاتی مگر پھر درد کہیں

ریل کی سیٹی کوک اٹھتی اور اسے آس بندھ جاتی کہ بس اس گاڑی سے چندر آ جائے گا' پھر سب کچھ جی اٹھے گا۔

اوشا رانی کے اعصاب پر اتنا دباؤ پڑ رہا تھا کہ وہ باولی سی کونوں کھتروں میں بیٹھی سرنا دیوی کے بتائے منتروں کا جاپ کیے جاتیں۔ تین دن سے برت تھا اور سوائے چٹکی بھر پرشاد اور دو گھونٹ پانی کے کچھ منہ میں نہیں ڈالا تھا۔ رات رات بھر جاگنے سے ان کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے مگر من پریم کی جوت سے نور نور ہو رہا تھا۔

بڑے سرکار کے احباب دوست تھے ہی کون؟ ان کے ہم عمر تو اپنی اپنی اولادوں کی شادیوں میں لگے تھے۔ کسے معلوم تھا کہ وہ اس عمر میں شادی کریں گے اور وہ بھی اوشا رانی کو چھوڑ کر ایک گمنام لڑکی سے شادی کی تیاریاں بڑے سرکار عجب بوکھلاہٹ سے کر رہے تھے۔ اوشا رانی ہی گھر کی کرتا دھرتا تھیں۔ جب دن قریب آنے لگے تو ان پر بری طرح ہول سوار ہو گیا۔ کہیں چاندنی انہیں جل نہ دے جائے! پھر ان کا کیا بنے گا؟ انہیں گھر سے نکال باہر کر دے گی تو وہ کہاں جائیں گی؟ کس کے آگے ہاتھ پھیلائیں گے؟

چند سال پہلے جو من میں ہر دم جوالا بھبھی دہکتی رہتی تھی۔ اب تو وہ بھی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ رومان اب تو دال روٹی کا سوال بن کر رہ گیا تھا۔ ماسی زندہ تھیں تو کتنا بڑا سہارا تھا۔ ٹھنڈائیاں پلا کر بھگوان کی اور دھیان لگانے کی نصیحت کر کے انہوں نے اوشا کو کچھ ایسے تربیت دی تھی کہ قدرت نے بھی سہارا دیا اور انہیں آہستہ آہستہ من مارنے کی عادت سی پڑ گئی' مگر پیٹ کی آگ اور خود داری تو ابھی زندہ تھی۔

شادی کا ہنگامہ شروع ہو گیا اور چندر نہ آیا اس نے چاندنی کی ساری خوشامدوں کا جواب خاموشی سے دیا۔ چاندنی کی ساری امیدیں موت کی آغوش میں جا سوئیں۔ گ

منڈپ کی آگ دھونکی جا رہی تھی۔ چاندنی کو سارا ماں کا زیور پہنا دیا گیا۔ چاندنی کا پلو ٹھیک کرنے کے بہانے وہ اس کے پاس گئیں۔

"لگن کا سمے رہا ہے!" انہوں نے بسور کر کہا۔

"جانتی ہوں دیدی' تم اطمینان رکھو۔"

"اب اطمینان کاہے نہیں۔"

چاندنی نے بنے سورے بڑے سرکار کو دولہا بنے دیکھا اور ایک آہ بھر کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ آخری گاڑی کا وقت بھی نکل چکا تھا۔ نہیں کوئی نہیں آیا اور کوئی نہیں آئے گا!

اوشا نے ایک شربت کا گلاس اس کے سامنے رکھ دیا چاندنی نے بٹوے میں سے شیشی نکال کر گلاس میں الٹ دی۔

"بس اب تو تمہیں اطمینان ہو گیا۔"

اوشا نے نگاہیں جھکا لیں۔

"دیدی تم چندر اور ہمو کو سب کچھ بتا دوں گی نا؟"

"ہا-- ہاں--" انہوں نے وعدہ کیا۔ "اچھا جلدی کرو۔"

"جلدی کی ایسی کیا ضرورت ہے؟ ابھی لگن میں دیر ہے۔" بڑے سرکار نے کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اوشا کا رنگ فق ہو گیا اور وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔" وہ جانے لگیں۔

"بڑی گھبرائی ہوئی معلوم ہوتی ہو؟" وہ مسکرائے۔

"نہیں تو۔ مہمان آ رہے ہیں--- میں---" اوشا کی زبان لڑکھڑا گئی۔"

"ہاں ہاں تم جاؤ' مہمانوں کی دیکھ بھال کرو۔ دیکھو آئس کریم نہ کھل جائے۔ مٹھائی مجھے لگتا ہے ضرور کم پڑے گی' کیوں؟"

"نہیں' کم نہیں پڑے گی۔"

"تمہیں بڑا کام کرنا پڑ رہا ہے۔ اوشا۔"

"نہیں تو۔"

"نہیں کیسے' کتنا اچھا انتظام کیا ہے تم نے! تمہارے اور ماسی کے علاوہ اور کسی میں ہمت نہ تھی۔" وہ لفظ چبا کر بولے۔

"جی---" اوشا ہکلائیں۔

"اب سب ٹھیک ہو جائے گا نا؟"

"جی--- جی ہاں---"

"پھر تمہیں کوئی شکایت نہ رہے گی؟"

"جی نہیں۔" بے ساختہ اوشا کے منہ سے نکل گیا۔

"تو جاؤ انتظام کرو۔" وہ مسکرا کر انہیں گھورنے لگے' بے چاری گرتی پڑتی لوگوں سے ٹکراتی بھاگیں۔

اوشا کے جانے کے بعد بڑے سرکار نے ایک ٹھنڈی سانس بھری' پھر بڑی اداس آنکھوں سے چاندنی کو تکنے لگے' وہ نظریں جھکائے دونوں ہاتھوں میں گلاس پکڑے بیٹھی رہی۔

انہوں نے اپنا گلاس رکھ دیا اور ڈرتے ڈرتے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیے۔ جیسے سانپ نے ڈس لیا' چاندنی نے جلدی سے اپنے ہاتھ پیچھے کھینچ لئے اور منہ ڈھانپ کر سسکیاں گھونٹنے لگی۔

"ارے تم تو شرما رہی ہو۔ بھئی واہ!" وہ مکاری سے مسکرائے' "آج تم خوش ہو نا؟"

اس نے ساری دنیا کی نفرت اپنی مظلوم آنکھوں میں سمیٹ کر انہیں سر سے پیر تک دیکھا "ہاں میں بہت خوش ہوں۔" اس نے جلدی سے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"ارے اتنی جلدی نہ پیو' اچھو لگ جائے گا۔" وہ ہنسے اور بڑی نزاکت سے اپنا گلاس اٹھا لیا۔ "ایسی بھی کیا جلدی!" وہ بڑے سکون سے گھونٹ لے کر بولے۔

مسرت اور جیب ۔ سے مدہوش ہو کر چاندنی ہنس پڑی۔ اس نے بڑے سرکار کا ہاتھ نفرت سے جھٹک دیا اور آنکھیں بند کر کے بڑے بڑے گھونٹ لینے لگی۔

اوشا رانی مہمانوں کی طرف تھیں مگر انکا دھیان ادھر لگا ہوا تھا وہ خوش ہونا چاہ رہی تھیں مگر ان کا جسم بے قابو ہو کر لرز رہا تھا۔

گلاس ختم کر کے چاندنی کھلکھلا کر ہنس پڑی اور پھر ہنستی رہی' یہاں تک کہ آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو بھی نہ پونچھے۔

"ہاں بڑے سرکار اب میں تمہاری ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھ ان کی طرف پھیلا دیئے۔ مگر وہ اسے دیکھتے رہے' مسکراتے رہے اور گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

ایک دم چاندنی نے دونوں ہاتھوں سے تڑپ کر اپنا گلا پکڑ لیا۔ سامنے پریشان حال چندر کھڑا تھا!

"چندر جی---" جب اسے اپنی آنکھوں پر یقین آگیا کہ یہ چندر ہی ہے تو وہ گرتی پڑتی اس کی طرف بھاگی اور اس کے سینے سے چمٹ گئی۔

"تم نے دیر کر دی چندر رو۔ میں جا رہی ہوں راجہ۔ میں نے وش پی لیا یہ دیکھو یہ بیٹھے ہیں تمہارے سوریہ دیوتا۔"

"تم آ گئے چندر؟" بڑے سرکار کی آواز میں جیت کی کھنک تھی اور انہوں نے اپنے گلاس میں سے ایک بھرپور گھونٹ لیا۔

چندر نے دیر کر دی۔ ماما جی کے ساتھ وہ اور ہمو شکار کو گئے تھے' وہاں سے لوٹے تب لونڈری میں ڈالتے وقت کوٹ کی جیب سے خط نکلا' ورنہ وہ چھ روز پہلے ہی آ جاتا۔

"مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے چندر جی؟" چاندنی نے لرزتے ہاتھوں سے اس کا چہرہ چھو کر کہا۔

"مجھے اپنے سینے میں چھپا لو چندر رو۔ میرا کلیجہ جا رہا ہے" وہ اس کے بازوؤں میں بے سہارا ہو گئی۔

چندر نے اسے جلدی سے صوفے پر لٹا دیا' ہمو اس کے کشن پر منہ رکھ کر رونے لگی' مہمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔

"ڈاکٹر--- ڈاکٹر کو فون کرو منشی جی۔" اس نے چاندنی کی پیشانی کا پسینہ ہونٹوں سے پونچھ دیا۔ "جلدی کرو۔"

"رہنے دو منشی جی' ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں۔" بڑے سرکار کے چہرے پر خبیث مسکراہٹ ناچ رہی تھی وہ مزے سے بیٹھے شربت کی چسکیاں لے رہے تھے' جیسے چاندنی انسان نہیں کیڑا تھی۔

"کمینے بزدل ایک نرودش لڑکی کی جان لے کر مزے سے بیٹھا شیطان کی طرح ہنس رہا ہے۔ ذلیل کتے۔" لپک کر چندر نے بڑے سرکار کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔ "مگر تو بھی میرے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا؟"

ایک جھٹکے سے انہوں نے چندر کو الگ کر دیا' ایک دم ان کے چہرے پر جلال برسنے لگا' ہمیشہ سے ڈرنے والا چندر پل بھر کے لئے دبک گیا۔

"کیا دیوانوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" انہوں نے بڑے نرمی سے کہا' "کیا تم نے یہ بھی کہیں سنا ہے کہ بھنورے نے کلی کا گلا گھونٹ دیا۔ یا پتنگے نے دیپک بجھا دیا۔" وہ بڑے وقار سے چلتے ہوئے چاندنی کے پاس گئے ہولے سے اس کے بکھرے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرا:

"پگلی--- سمجھتی ہے اس نے پیا ہے زہر---"

"اوشا کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی اور وہ گلاس چھینے جھپٹی مگر بڑے سرکار نے ایک ہی سانس میں پورا گلاس ختم کر ڈالا۔

اوشا پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی پھر چیخ مار کر ان کے پیروں سے لپٹ گئی۔

چندر نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں بھینچ ڈالیں اس کی عقل کام نہیں کر رہی تھی۔

چاندنی نے کراہ کر آنکھیں کھولیں؟ بڑے سرکار نے صوفے کا سہارا لیا تو وہ سہم کر چندر سے لپٹ گئی۔

"ہاں چندر اسے بچالو۔ سورج کے سامنے چاندنی مرجھا جاتی ہے۔ اٹھو اوشا' تمہارے آنسو وش کو اور کڑوا بنا رہے ہیں۔" انہوں نے اوشا کو اٹھانا چاہا' "شاکر دو اوشا رانی! میں نے تمہاری محبت کی قدر نہ کی میں نے تمہارا بڑا اپمان کیا--- جس کی سزا آج مجھے مل گئی۔ تم نے اپنی ساری زندگی میرے لئے بھسم کر دی۔"

"ناتھ' آپ کی سیوا میرا دھرم ہے" "اوشا نے ان کے پیروں پر سر ٹیک دیا' "یہ آپ نے کیا کیا؟"

"جانتا ہوں میں نے جو کچھ کیا۔" اچھا نہیں کیا۔ میں نے چاندنی کو چاہا' اگر میرے دل میں بھگوان کی اتنی لگن ہوتی تو انہیں بھی پا سکتا تھا' مگر چاندنی اور سورج کا میل نہیں ہو سکتا۔" وہ چکرا کر گرنے لگے تو چندر نے لپک کر انہیں بانہوں سے سنبھال لیا۔

"بھیا! ارے منشی جی ڈاکٹر کو فون کیا؟"

"اب ڈاکٹر کچھ نہیں کر سکتا چندر۔"

"مگر بھیا یہ آپ نے کیا کر ڈالا؟"

"اور کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا چندر۔ اوشا میرے پیر چھو کر مجھے اور گنہگار نہ کرو۔ ایک انسان کو دیوتا بنانے کی کوشش میں اسے حیوان بنا ڈالا۔ چھوٹے چھوٹے جھوٹ بڑھ کر بھیانک پاپ بن گئے اور--- اور---" انہوں نے درد سے تڑپ کر خون کی بڑی سی قے کی۔

بھیڑ کو چیرتا کوئی ڈاکٹر آگے بڑھا مگر انہوں نے روک دیا:

"ڈاکٹر' زندگی کی یہ چار گھڑیاں میرا آخری سرمایہ ہیں' یہ نہ چھینو تم تم مجھے بچا نہیں سکو گے۔ اب تو موت کو بھگوان بھی نہیں ٹال سکتے۔" پھر درد کی شدت سے ان کی آنکھیں پھر گئیں' ناک کا بانسہ مڑ گیا' دم بھر کے بعد پھر اٹکتی ہوئی سانس آئی۔ انہوں نے دور کھڑی چاندنی کی اور بڑی کوشش کر کے تاکا۔ مرتے مرتے آخری یاران کی پتلیاں ناچ اٹھیں' خون بھری ہنسی کے ساتھ بڑی شوخی سے بولے!

"پگلی! اسے دیکھو رو رہی ہے! پر وہاں اتنی دور کھڑی کیوں آنسو بہا رہی ہے؟ ادھر آ چاندنی! میرے سینے پر صرف ایک بار پیار سے ہاتھ رکھ دے - نہیں--- نہیں تو یہ جنم جنم تک یونہی تڑپتا رہے گا۔" چاندنی تیورا کر ان کے سینے پر گر پڑی۔ بڑے سرکار نے بڑی بے صبری سے اسے اپنی آغوش میں بھینچ لیا۔ موت کے دروازے پر پہنچ کر پہلی بار چاندنی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

"آہ' اگر موت اتنی حسین ہوتی ہے تو پھر کیوں نہ ہزار بار جنم لے کر مرنے کو جی چاہے۔" انہوں نے موت اور پیار کی لذت سے بے قرار ہو کر کہا اور اپنے ہیجان ہونٹ اس کے ماتھے پر رکھ دیے۔

چاندنی تڑپ کر رہ گئی۔ اس کا جی چاہا ان کی چھاتی پھٹ جائے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی اتھاہ محبت میں ڈوب جائے۔

"رو مت میری جان! آج تو تیرا بیاہ ہے۔ وہ دیکھ سورج ڈوب رہا ہے۔ آج چندرماں کا راج ہو گا اور چاندنی کھل اٹھے گی۔"

مغرب کی سمت سورج کی آخری کرن سسک کر خاموش ہو گئی اور دھیمی دھیمی شرمائی سی چاندنی کسی سہاگن کے کفن کی طرح پھیل گئی!